نومبر ۸۸

قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاھد من جاھد نفسہ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت، مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت قلزم فیوض و برکات

امام اولیاء، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقام اشاعت

دار العرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ — شمارہ: ۳

ماہنامہ

المرشد

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ — نومبر ۱۹۸۸ء

اداریہ — ۲

ہم اور ہمارا عمل — حضرت مولانا محمد اکرم — ۳

روشن مینار — حضرت مولانا محمد اکرم — ۸

کردار اور دل — حضرت مولانا محمد اکرم — ۱۱

انسان کی درماندگی — حضرت مولانا محمد اکرم

انعامات الٰہی — حضرت مولانا محمد اکرم — ۲۰

تزکیۂ نفس — حافظ عبد الرزاق — ۲۷

صدر ضیاء الحق شہید — راجہ محمد شریف — ۳۳

تصویر کائنات میں رنگ — حافظ عبد الرزاق — ۳۶

ذکر الٰہی کی برکات — مولانا محمد منظور نعمانی — ۳۸

صحبت و اطاعت رسولؐ — محمد ریاض طاہر تلنگوی — ۴۱

روح اور نفس پرستی — محمد جہانگیر خان — ۴۴

قرض - احادیث کی روشنی میں — ڈاکٹر محمد دین — ۴۷

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبد الرزاق

ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر

تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکی ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکی ڈالر

سول ایجنٹ:

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقام اشاعت: دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

الیکشن کی افراتفری ہے۔ قوم نے ایسے نمائندے منتخب کرنا ہیں جو اس ملک اور قوم کو سنوارنے یا بگاڑنے میں اپنا پورا کردار ادا کریں گے۔ شرپسند شہری جعلی ووٹ ڈال کر بھی اپنے نمائندے کی کامیابی کو یقینی بناتے ہیں۔ وہاں نیک شہری ووٹ نہ ڈال کر بدکاروں کو منتخب ہونے کا موقعہ دیتے ہیں۔ لنگر مخدوم کے اجتماع پر حضرت شیخ المکرم نے اپنے خطبے میں تاکید فرمائی "جو ادارہ ملک پر حکومت کرے گا۔ وہی مخلوق کو انصاف مہیا کر سکتا ہے۔ دین کا تحفظ کر سکتا ہے۔ دین پھیلا سکتا ہے۔ اگر اس میں آپ نے چوروں، ظالموں اور بدکاروں کو جمع کر دیا تو یہ کہاں کی شرافت ہے؟ کہاں کی نیکی ہے۔"

"اسلامی ریاست میں کافروں کی تائید کر کے سب پر مسلط کر دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ یہ بھی دینداری نہیں ہے کہ ووٹ ہی نہیں دیتے۔ کیوں نہیں دیتے؟ ہمارا مسلک نہیں ہے۔ کوئی نظریہ، کوئی عقیدہ نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے؟ نہ دینے اور بھاگ جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس بات کو ہمارا دین دار اور نیک طبقہ سمجھ لے تو اس ملک پر بے دین حکمران ہو ہی نہیں سکتے۔"

اس ملک میں اکثریت دین داروں کی ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں۔ یہ شیطانی کام ہے۔ ہم ووٹ ہی نہیں دیتے یوں شیطان ہم پر حکومت کرتا رہتا ہے۔ اور یہ وہاں نہ جا کر، حصہ نہ لے کر، نیک لوگوں کی تائید نہ کر کے نیک افراد کو محروم کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جرم ہے ملک و قوم کے ساتھ اور زیادتی ہے دین و مذہب کے ساتھ"

"آپ کے ذمہ ہے کہ اپنے حلقۂ انتخاب میں شریک نیک اور دین دار افراد کو ووٹ دیں۔ اگر سارے بدکار ہیں اور دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے تو پھر کسی کم بدکار کو تلاش کریں۔ زیادہ نقصان دینے والے سے بچا کر کسی کم نقصان دینے والے کے سپرد کر دیا تو یہ بھی اپنی جگہ اچھا کام ہے۔"

ووٹ ڈالتے وقت آپ کے سامنے اپنا ذاتی مفاد، رشتہ داری، تعلق یا لاتعلقی، دشمنی، لالچ یا کوئی اور ایسی مجبوری نہیں ہونی چاہیئے کہ کسی نیک انسان کو چھوڑ کر اپنا ووٹ کسی بدکار کی صندوقچی میں ڈال دیں۔ آپ کو اللہ کریم کے سامنے جواب دینا ہے۔

مدیر

حضرت مولانا محمد اکرم

اسرار التنزیل

ہم اور ہمارا عمل

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ
غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ
اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۞ قُلْ
لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا
مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

سورۃ یونس ۔ رکوع ۶ پارہ ۱۱ آیات ۱۵، ۱۶

ترجمہ :۔ اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں (آپ سے یوں) کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لائیے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔ آپ (یوں) کہہ دیجیے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ (یوں) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سناتا اور نہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تم کو اس کی اطلاع دیتا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی تو میں ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔ پھر تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جس کے ہر پہلو میں عظمت اور بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ چھوٹا کام ہو یا امور سلطنت یا مزدوری، کوئی بڑا کام کرے یا کوئی چھوٹی سی بات کہے اُس میں بڑائی، خوبی، بھلائی، عزت سربلندی و سرفرازی کا جو پہلو بھی نکلتا ہو وہ اللہ کے لیے ہو۔ یہ اسلام ہے اور یہ اتنا بڑا تقاضا ہے کہ انسان اِس کو صرف ایک ہی صورت میں مان سکتا ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ مجھے اللہ کریم کی بارگاہ میں واپس جانا ہے وہ میرا مالک ہے یہ کائنات اُس کی ہے میں اُس کی مخلوق ہوں، میں اُس کی نعمتیں کھا رہا ہوں، استعمال کر رہا ہوں برت رہا ہوں اُس کے حضور مجھے حساب دینا ہے کہ میں نے کیا چیز کس طرح سے برتی، کیا وہ میرا حق بنتا تھا۔ اُس کی مجھے اجازت دی گئی تھی یا نہیں دی گئی تھی۔

اگر دل میں یہ یقین نہ ہو تو کوئی بھی شخص اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتا کہ زندگی میں جو کام بھی کرے اُس میں جو پہلو بھی نکلتا ہو وہ اپنے لیے نہ ہو بلکہ کسی اور کے لیے ہو۔ کتنا مشکل کام ہے۔ آپ ایک آدمی کو پیسہ نہ دیں، کوئی سہولت نہ دیں لیکن اُس کو بڑا آدمی ماننے پر تیار ہو جائیں تو وہ آپ کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام کر گزرے گا۔ انسانی مزاج ایسا ہے۔ اب اُس

سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اُس میں تمھاری کوئی عظمت، کوئی بڑائی نہیں۔ بلکہ بڑائی یا عظمت کا جو پہلو ہے وہ اللہ کے لیے ہے تو وہ کیوں مانے۔ اُس کے ماننے کی ایک ہی صورت ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی عظمت کو مانے اُس کے اقتدار و اختیار کو مانے۔ اپنی مجبوری، بے بسی، کمزوری کا احساس ہو۔ اُسے یہ یقین ہو جائے کہ نہ میں کوئی حیثیت رکھتا ہوں اور نہ یہ کائنات کوئی حیثیت رکھتی ہے حقیقی شان صرف اللہ کی ہے اور ساری بڑائی اُسی کو سزاوار ہے۔ اگر کوئی کمال میرے وجود سے ظاہر ہوتا ہے تو یہ اُسی قادرِ مطلق کی حکمت ہے جو کانٹوں سے پھول اُگا لیتا ہے، لکڑی کے تنے سے بھرے پھل اُگا لیتا ہے، گھاس پر خوشبوئیں نچھاور کر دیتا ہے یہ اُسی کا کمال ہے ہیں تو مشتِ خاک ہوں میرے وجود سے اُس نے پھول اُگا دیے۔ خوشبوئیں پیدا کر دیں، پھل اُگا دیئے یہ یقین کہاں ہو؟ دل میں۔

اگر یہ یقین کمزور پڑ جائے تو کیا ہوتا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں،

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ۔ کہ لوگوں پر جب میری آیات، میری بات جو بڑی واضح اور روشن ہے کوئی ابہام نہیں ہے اُن میں۔ کوئی پیچیدگی نہیں اُن میں، جب اُن پر تلاوت کی جاتی ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ۔

تو وہ لوگ جنھیں میری بارگاہ میں حاضر ہونے کا یقین نہیں ہے ایسے لوگ جنھیں یہ یقین حاصل نہیں ہے کہ انہیں واپس میری بارگاہ میں روبرو حاضر ہونا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ کبھی یوں نہیں ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اور کوئی حکم لاؤ۔ اَوْ بَدِّلْهُ یا کوئی تبدیلی کر دو کچھ ایسا بناؤ جو کچھ ہماری پسند ہماری مرضی کے مطابق ہو پھر تو ہم مانیں گے۔ اور اگر اس میں ہماری کوئی اہمیت، کوئی حیثیت ہی نہ ہو تو ہم تو صرف ایک پرزے کی طرح، ایک مشین کی طرح، تو اپنے سرکل میں روٹیٹ کرتے ہیں۔ پھر کیا فائدہ۔

اللہ کریم فرماتے ہیں میرے حبیب اِن سے کہہ دیجیے قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ ۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں قرآن کی آیات کو، قرآن کے احکام کو، قرآن کے اخبار کو، قرآن کی کسی بھی چیز کو تبدیل کر دوں۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے بلکہ حال یہ ہے کہ میں تو صرف اور صرف اُس حکم کی اطاعت کرتا ہوں جو مجھے اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اگر کوئی ایت میں تم تک پہنچاتا ہوں۔ تو وہ میں گھڑ کر نہیں پہنچاتا، میں بنا کر نہیں پہنچاتا میں سوچ کر نہیں بناتا، بلکہ اللہ کا حکم ہوتا ہے، اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اور وہ میں تم لوگوں تک پہنچا دیتا ہوں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اس کے سوا کوئی کام میں نہیں کرتا۔ اِس کے سوا کہ جو مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اِنِّيْٓ اَخَافُ اور میں بھی ڈرتا ہوں اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ اگر میں بھی اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تمھارے کہنے پر احکام الٰہی میں کمی بیشی کر دوں آیات الٰہی میں تبدیلی کر دوں تو بڑے دن کے عذاب سے مجھے بھی خوف آتا ہے۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔

پھر ایک عقلی دلیل ارشاد فرمائی میرے حبیب ان سے فرما دیجیے۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ۔ اگر اللہ چاہتے ہیں تو مجھے روک دیں۔ میں ایک لفظ بھی تم پر تلاوت نہ کروں، نہ یہ بھید میں تمھارے سامنے کھولوں نہ یہ بات میں تمھیں بتاؤں کہ اللہ کی میرے ساتھ کیا بات ہوئی ہے مجھ پر کیا وحی آئی ہے میرا اور میرے رب کا ذاتی معاملہ ہو تو میں تمھیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دوں لیکن اگر اللہ ہی مجھے یہ حکم دے دیں کہ یہ بات میرے بندوں تک پہنچاؤ تو اُسے روکنا یا اُسے تبدیل کرنا یہ میرا اختیار نہیں ہے۔ میں اگر اپنے اختیار سے کہتا تو فرمایا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

میں نے چالیس برس بسر کیے ہیں تم ہی میرا بچپن مکہ میں گذرا، میرا لڑکپن تم میں بسر ہوا میری جوانی تمھارے ساتھ گزری میں اپنی پسند سے کچھ کہنا چاہتا تو اپنی پسند سے پہلے بھی کچھ کہتا۔ میں نے تو تمھارے کسی معاملے میں مداخلت ہی نہیں کی۔ میں نے تمھیں کبھی کچھ نہیں کہا۔ میں نے تمھیں کبھی آخرت سے نہیں ڈرایا۔ میں نے تمھیں دنیا میں رہنے کے لیے کوئی حکم کوئی قانون ضابطہ نہیں بتایا میں نے تمھیں کبھی تمھارے ساتھ بات نہیں کی۔

اب جبکہ اللہ کی طرف سے حکم موصول ہوتا ہے تو میری بھی یہ مجبوری ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے میرا پیدا کرنے والا مجھے کمالات نبوت سے سرفراز فرمانے والا مجھے یہ عظمتیں عطا کرنے والا اور وہ ہستی جس کے سامنے مجھے بھی کل جوابدہ ہونا ہے وہ اللہ ہی ہے اور جو حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے میں اُسے تبدیل نہیں کر سکتا۔

اب یہاں ہمارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی عمل زندگی میں قرآن کی اطاعت کے لیے کوشاں ہیں یا قرآن میں کوئی تبدیلی کرنے کے متمنی ہیں۔ اب یہ کوئی شخص نہیں کہے گا، نہ میں کہوں گا، نہ آپ کہیں گے، نہ کوئی دوسرا مسلمان یہ کہے گا کہ ہم قرآن میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی نہیں کہے گا۔ لیکن اس بات کی گواہی دیں گے کہ میرے اور آپ کے اعمال، ہمارے نظریات، ہمارے ارادے، ہماری سوچیں کہ ہم کرتے کیا ہیں اگر ہمارا عمل قرآن کی اطاعت نہیں کرتا تو اُس کا معنی یہی ہے کہ ہم اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں اللہ کی پسند سے نہیں۔ بات تو زندگی گزارنے کی ہے۔ دنیا میں جتنے انسان ہیں اُن سب کی زندگی ایک ڈگر پر چلتی ہے یعنی پیدا ہوتے ہیں۔ والدین پرورش کرتے ہیں۔ پڑھاتے ہیں، جوان ہوتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں یا ملازمت کرتے ہیں، شادی کرتے ہیں، بچے ہوتے ہیں گھر بناتے ہیں۔ مر جاتے ہیں۔ اب کوئی کافر ہے یا مومن زندگی کا یہی ایک راستہ ہے۔

ایمان اور کفر کا فرق یہ ہے، کفر یہ سارا عمل اپنی پسند سے کرتا ہے۔ جیسے جی میں آئے اُس طرح سے شادی کرتا ہے۔ جیسے جی میں آئے اُس طرح سے کماتا ہے۔ جیسے جی میں آئے اُس طرح خرچ کرتا ہے۔ جو اُس کے دل میں آئے وہ کرتا ہے جو اس کے دل کو پسند نہ آئے وہ نہیں کرتا، اُس کی اپنی پسند ہے۔ مومن اپنی پسند سے کماتا نہیں اپنی پسند سے خرچ نہیں کرتا اپنی پسند سے سوتا نہیں اپنی پسند سے جاگتا نہیں اپنی پسند سے کھاتا نہیں اپنی پسند سے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ مومن کا تعلق یا ایمان ایک ایسی ذات سے ہے یعنی ایمان کی بنیاد ہی یہی ہے کہ ہمارا تعلق ایک ایسے رب سے ہے جسے ہم اِس ساری کائنات کا نہ صرف خالق بلکہ مالک بھی تسلیم کرتے ہیں، بنانے والا بھی وہی ہے چلانے والا بھی وہی ہے اور اکیلا مالک بھی وہی ہے۔ ہم کیا ہیں؟ ہم اُس کی مخلوق ہیں پھر تو ہماری کوئی حیثیت نہ رہی اُس کے مقابلے میں۔ یعنی خالق اور مخلوق کا مرتبہ کسی طرح ایک سا ہو ہی نہیں سکتا۔

جب ہم کلمہ اسلام پڑھتے ہیں تو ہم اپنی حیثیت کی نفی کر دیتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ کائنات، یہ زمین، یہ آسمان، یہ گھر، یہ مکان، یہ دولت، یہ مال، یہ وجود، میری جان، میری عزت، میری آبرو، میری صحت، میرا قد و قامت، میری ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، میں بھی اُس کی ملکیت ہوں۔ مجھے پھر کیا کرنا ہے؟ جو وہ کہے وہ کرنا ہے جہاں سے وہ روک دے وہاں رُک جانا ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسلام ہے اس سے کیا حاصل ہوگا؟ اُس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ وہ مزید انعامات سے نوازے گا۔ اُس کی خوشنودی میں سکون ہے امن ہے، عزت ہے، آبرو ہے، عظمت ہے، سب کچھ اُس کی خوشنودی میں ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو کیا ہوگا؟ پریشانی ہوگی، رسوائی ہوگی، تکلیف ہوگی، دکھ ہوگا۔ نہ صرف دنیا میں بلکہ برزخ میں، میدان حشر میں اور اُس کے بعد ایک نہ ختم ہونے والی زندگی میں مسلسل عذاب، مسلسل دکھ اور مسلسل تکلیف سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں، سارے مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں اس سے انکار نہیں کرتے۔

لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو ہم عمل خدا کے حکم کے مطابق کرنا پسند نہیں کرتے۔ آپ عبادات کو دیکھ لیجیے فرائض ہیں سنن اور واجبات ہیں۔ وظائف ہیں تلاوت ہیں، مستحبات ہیں یہ کس لیے ہیں؟ ہم گاڑی میں پٹرول کیوں ڈلواتے ہیں؟ سفر پر جانے کے لیے، استعمال کرنے کے لیے، چلانے کے لیے اور اگر ارادہ گاڑی کو چلانے ہی کا نہ ہو تو اُس میں تیل ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ جتنی عبادات ہیں۔ دراصل وہ تیل ہے، وہ پٹرول، وہ قوت اور انرجی اخذ کرنا ہے جس کی ضرورت ہیں اللہ کی اطاعت کے لیے ہوتی ہے۔

اگر ارادہ اطاعت کرنے کا ہے ہی نہیں تو اس انرجی کو حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نماز روزہ سے فرائض عبادات سے بیگانہ ہو گئے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دل اللہ کی غلامی ہی نہیں چاہتا۔ عبادات میں سُستی اس لیے آ گئی ہے کہ ہم نے ارادہ بدل لیا ہے ہم پوری زندگی اس بات پر صرف کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ "مجھے بڑا آدمی"، "سمجھیں میری عظمت کا اقرار کریں۔ میرے سامنے جھک جائیں، جو منصب

سیٹ، کرسی یا پیچ اللہ کے لیے ہم نے زبانی تسلیم کیا ہے اُس پر اپنے آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں پوری زندگی اپنے رائے کے مطابق ڈھالنا پڑتی ہے یہ کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ ہمارے دلوں سے وہ یقین ختم ہو چکا ہے کہ ہمیں اللہ کے حضور پیش بھی ہونا ہے۔

ہم سب مل کر شیطان کو بُرا کہتے ہیں۔ اِس میں ہمارا کمال نہیں ہے یہ اُس کی اپنی کمائی ہے۔ اُس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے اللہ کی طرف سے اُسے بُرا کہا گیا تو اب اُس کی اولاد بھی اور اُس کے ماننے والے بھی ساری عمر اُس کی غلامی کرتے ہیں روہ بھی اُس کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ پھٹکارا اللہ کی طرف سے اُس کے حصے میں آئی ہے۔ لیکن شیطان کبھی جلسے نہیں کرتا۔ لاؤڈ سپیکر لگا کر لوگوں کو بلاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اخبار شائع کرتے نہیں دیکھا، رسالہ جاری کرتے نہیں دیکھا۔ شیطان کے پاس ریڈیو، ٹیلی ویژن نہیں ہے۔ یہ سب کام ہم کرتے ہیں اور اُن کو شیطان کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ رسالہ لکھتے ہیں اُس میں سارا جھوٹ، سارے افسانے، ساری غلط باتیں، اور فحش لٹریچر ہوتا ہے ہم اتنی محنت کرتے ہیں، اتنی بڑی کتاب تیار کرتے ہیں اُس میں ساری فحاشی ہوتی ہے۔ ہم جبکہ کلمہ پڑھتے ہیں تو شیطان کا کام کیوں کرتے ہیں؟ ٹیلی ویژن ہمارے پاس ہے لیکن اللہ کا نام اُس پر ایک بار آئے تو ہزار بار وہ چیز آتی ہے جو شیطان کی معاون ہوتی ہے جو اُس کے کام میں تعاون کرتی ہے۔ یہی حال ریڈیو کا ہے۔

شیطان کا کام ہے مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا۔ آپ ریڈیو، اخبار، ٹیلی ویژن کو چھوڑ دیں، مساجد تو اللہ کے لیے ہیں۔ کیا ہم مساجد میں بیٹھ کر لوگوں کو لڑانے کا کام نہیں کرتے ہیں منبر پہ بیٹھ کر وہ کام کر جاتے ہیں جو نتیجۃً شیطان کو مددگار ثابت ہوتا ہے اور اس کا کام کرتا ہے۔ آخر کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ ہر آدمی کے دل میں اپنی جگہ بناتا ہے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ شیطان انسان کے دل میں بات ڈالتا ہے۔

ہم پوری زندگی دل کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اس دور کا کمال یہ ہے۔ کہ ہم سارے کام کر لیتے ہیں۔ لیکن کبھی اس جستجو میں نکلتے ہی نہیں کہ دل کا کیا علاج کیا جائے۔ کون سی حفاظت، کون سی حفاظتی دیوار دی جائے۔ کونسا دیا روشن کیا جائے کونسی چیز بوئی جائے، پیدا کی جائے۔ کہ اس میں شیطان کا گذر نہ ہو اور وہ شیطان کی بات نہ مانے بلکہ اُس پر اللہ کی بات کا اثر ہو اور دل اِس بات پہ یقین کر جائے کہ مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کا ہے اور مجھے اللہ ہی کے لیے اللہ کی غلامی کرنا ہے۔ اُس کی سربلندی، اُس کے دین کی، اُس کے نام کی اور اُس کی ذات کی عظمت کو اشارہ کرنے کے لیے زندہ رہنا ہے پھر تو بات بن جائے۔ لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم عملی زندگی سے بہت دور ہو چکے ہیں اور جو کچھ ہے وہ سب زبانی زبانی ہے۔ ہم دل کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

ہم ساری زندگی بدن کا لباس تیار کرتے ہیں، پاؤں میں کانٹا چبھ جائے اس کے لیے سرگرداں رہتے ہیں لیکن دل کے امراض، دل کے شفاخانے، دل کے ڈاکٹر، دل کی دوا کے لیے ہم نے زندگی میں کبھی جستجو ہی نہیں کی۔ دشمن جس جگہ بیٹھا ہوتا ہے، ہم گولہ باری اُس سے باہر والے جنگل پر کر رہے ہوتے ہیں، شیطان ہمارے دل میں بیٹھا رہتا ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُس میں دل کا تعلق ہی نہیں ہے ہم اُس سے باہر سب کچھ کر رہے ہیں۔ اُس کا کیا بگڑے گا۔ سٹیرنگ ویل پر شیطان ہوگا۔ موٹر تو اُس راستے پر جائے گی جس پر سٹیرنگ ویل پھرتا چلا جائے گا۔

گناہ گنہگار کو آسودگی نہیں دیتا۔ ہم سے بھی گناہ ہوتے ہیں ہم بھی گناہ کرتے ہیں ہم سے بھی بے شمار گناہ ہوئے۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے لیکن گناہ گنہگار کو آسودگی نہیں دیتا۔ پریشانی دیتا ہے۔ کوئی بھی گنہگار گناہ کر کے خوش نہیں ہوتا۔ پیشہ ور عورت دنیا میں بدترین مخلوق شمار ہوتی ہے۔ تنہائی میں پیشہ ور عورت سے پوچھیں کہ کیا تم اس پیشے پہ خوش ہو وہ کہے گی کبھی نہیں۔ کسی چور کو علیحدہ بٹھا کر اُس سے پوچھیں تم چوری کر کے خوش ہو۔ وہ کہے گا کبھی نہیں۔ کسی جواری سے علیحدگی میں اُس کی دل کی بات پوچھیں کہ جوا کھیلنے پر خوش ہو۔ وہ کہے گا نہیں۔ پھر کرتے کیوں ہو؟ دل کرتا ہے کیا کریں ہم۔

دل میں جب تک یہ مرض رہے گا، اس پر شیطان کا قبضہ رہے گا۔ ہم سے بات نہیں بن سکے گی۔ دل کا علاج کہاں ہوگا؟ دل والوں کے پاس۔ کوئی شخص کبوتر اُڑاتا ہے اُس کے پاس بیٹھنا شروع کر دیں، مہینہ، دو مہینے، چھ مہینے، صبح شام آئیں جائیں،

اُس کے پاس بیٹھیں، آپ کو بھی کبوتر اڑانے میں دلچسپی ہو جائے گی کوئی شخص کتے لڑاتا ہے اُس کے پاس بیٹھنا شروع کر دیں آپ کو بھی شوق پیدا ہو جائے گا۔ کوئی شخص نشانہ بازی کا شوقین ہے اُس کے پاس بیٹھنا شروع کر دیں، آپ کو بھی شوق پیدا ہو جائے گا۔ کسی بھی فن کے آدمی کے پاس آپ اُٹھنا بیٹھنا شروع کر دیں تو وہ فن آپ کی پسند میں شامل ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی صاحبِ دل کو تلاش کرو۔ اُس کے پاس صرف بیٹھنا شروع کر دو۔ کوئی صاحبِ دل مل جائے کوئی ایسی محفل مل جائے۔ جس میں کوئی صاحبِ دل ہو اور وہاں صرف بیٹھنا شروع کر دیں۔ اور کچھ نہ کریں صرف وہ صحبت دل کا درد عطا کر جائے گی۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یک لمحہ جو پہنچا وہ صحابی بن گیا۔ لوگوں نے دین سیکھنے میں وقت لگایا۔ عبادات کو ازبر کرنے میں وقت لگا۔ سجدے ادا کرنے میں وقت لگا۔ جہاد پر جانے کے لیے وقت لگا۔ لیکن صحابی بننے کے لیے صرف صحبت کی حاضری کام کر گئی۔ ذرا تاریخ اسلام پہ نگاہ کریں۔ احیائے اسلام کا اہم انقلاب جب بھی آیا ہے ہمیشہ دل والوں کی محفلیں، اہل دل کی صحبتیں اور مجالس ہی اس کی بنیاد بنی ہیں جس پر یہ پھل لگا ہے۔

ہماری بنیادی اور انتہائی ضرورت یہ ہے کہ ہم ظاہری مناظروں میں ایک دوسرے کو بھلا بُرا کہنے، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے اور پتھر پھینکنے کی بجائے کسی صاحبِ دل کو تلاش کریں کہ اُن کی جوتیوں میں جگہ مل جائے۔

اِس طرح کا انسان اگر مل جائے تو اُس کے قدموں کی خاک بن جاؤ اُس کی جوتیوں میں جگہ ملے تو غنیمت سمجھو اور وہاں جم جاؤ دل کو بنا کر اُٹھو۔

جب تک یہ دل عظمتِ باری کا اقرار نہیں کرے گا۔ بات زبانی ہی رہے گی عمل کی توفیق ہونا محال ہے۔

ہمارے آپس کے جھگڑے، طعن و تشنیع، شور و شرابا، صرف اپنے آپ کو منوانے کے لیے ہے۔ اللہ کو منوانے کے لیے نہیں ہے۔ اللہ کو منوانے کے لیے اپنے دل سے، اپنے عمل سے، اپنے قول سے، اللہ کی عظمت کا اظہار کرو۔ کہ دوسرا بھی تمہیں دیکھ کر وہی رنگ اختیار کرے۔

اللہ کریم ہم سب کو اور حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اسرار التنزیل
کی دوسری جلد چھپ چکی ہے
کیا
آپ نے اس کی کاپی حاصل کر لی ہے؟
پہلی اشاعت سے محدود تعداد باقی رہ گئی ہے، یونہ ہو کہ آپ کو
اگلی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے
قیمت غیر مجلد -/۵۰ روپے
مجلد آرٹ پیپر -/۱۰۰ روپے

روشن مینار

حضرت مولانا محمد اکرم

حسن ظاہر سے تیرے روشن ہیں رنگ و بو
پر جمال باطنی کی ضو فشانی اور ہے

ربیع الاول ہمیشہ یادوں کے روشن چراغ لیے مسلمانوں کے قلب و نظر کو منور کرتا ہوا آتا ہے اور وطن عزیز کا ہر گلی کوچہ بوئے جاناں سے معطر ہو جاتا ہے۔

بہت بڑے بڑے اداروں سے لیکر محلوں کی چھوٹی چھوٹی مساجد تک میں اور بڑے بڑے فاضل حضرات سے لیکر ایک عامی تک ہر مسلمان اپنے محبوب اور صادق و امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سیرت، برکات و معجزات پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق روشنی ڈالنے کی بھرپور سعی کرتا ہے اور اسے بجا طور پر سعی مشکور کہنا چاہیئے۔

یہ حسن بیان حسن ہوتا ہے اس سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور آتا ہے۔ یہ رشتہ الفت کو مزید مضبوط کرتا اور عہد محبت کو حیات نو بخشتا ہے۔ ذکر الٰہی اور پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بے شمار برکات اور لامحدود رحمتوں کا سبب بنتا ہے۔ گناہگاروں کو در توبہ اور اللہ کے نیک بندوں کو در اجابت تک دستگیری کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہی ذکر کا دروازہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت باب معرفت ہے۔ لہذا آپکا ذکر، ذکر حبیب ہے جو صرف اس ماہ مبارک کی آمد ہی سے وابستہ نہیں بلکہ تار حیات کی ہر لرزش سے وابستہ ہے۔ ہاں جب یہ مبارک مہینہ آتا ہے تو ان بھیگے تاروں کو مزید چھیڑ دیتا ہے مگر یاد رہے یہ وہ ساز ہے جو گرفتار جنوں کو خرد عطا فرماتا ہے اور نادانوں کو علم معرفت سے سیراب کر کے علم لدنی سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور رازداران بارگاہ الست میں شامل کر دیتا ہے۔ شرط صرف مزاج کی درستی اور طلب کا صدق ہے۔

یوں تو ہر بادل سے وہی آب حیات برستا ہے مگر زمین کے فرق سے اثرات مختلف سامنے آتے ہیں۔ کہیں پھل اگتے ہیں اور کہیں پھول کھلتے ہیں کسی جگہ کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔ تو کسی دوسرے مقام پر چشموں کے جھرنے عظمت باری کے گیت الاپنے لگتے ہیں؛ ندیاں اور دریا مگر اس کرم کو بانٹتے ہیں، یہی بادل جب شور زمین پر برستا ہے تو وہ اور جلتی ہے۔ ابر کرم کے قطروں میں تو کوئی فرق نہ تھا پھر یہ مصیبت کیوں یقیناً اس کا سبب زمین کی خرابی ہے۔

بالکل اسی طرح سیاہ بخت انسان جو اپنے گناہوں سے دل کی زمین کو اس حد تک شور زدہ بنا چکے ہوں کہ توفیق توبہ ہی سلب ہو چکی ہو۔ جب ان کانوں سے ذکر حبیب کے زمزمے ٹکراتے ہیں تو ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے شور زمین پر قطرہ باراں کا یہ سیاہ بختی کی انتہا ہے اور ناقابل علاج مرض ہے۔ ان ہی لوگوں کے بارے اللہ نے خبر دی ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ؛ اللہ کریم ایسی مصیبت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ زمین ایک درجہ اس سے کمتر ہے اور وہ قابل علاج بھی ہے جسطرح زمین کے بعض ٹکڑے حیاتین کی کمی کا شکار ہو کر پوری فصل نہیں دے پاتے تو ان میں فصل بھی اگتی ہے اور خالی جگہیں بھی رہ جاتی ہیں۔ پھر ان خالی جگہوں پر فصل کی جگہ خودرو پودے اور بوٹیاں لے لیتے ہیں۔ جو ان دانوں کو جو پہلے ہی پوری مقدار میں حاصل نہیں ہو پا رہے تھے۔ اپنی آمیزش سے آلودہ کر دیتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہیں ایمان تو نصیب ہوا مگر اسقدر مقصد طے نہ تھا کہ سنت نبوی کا بھرپور اتباع نصیب ہوتا۔ لہذا ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پردے میں خلاف سنت امور اور بدعات و رسومات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ مرض قابل علاج ہے اور بڑا آسان سا نسخہ ہے کہ لوگ اظہار مسرت کیلئے

ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جو خود ان کو پسند ہوں اگر یہاں بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند آجائے اور ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوں تو کیا کہنے۔ دو عالم کی عظمتیں اسی ذکر پاک پر نچھاور ہوتی ہیں۔

اس بات کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو میرے ناقص خیال کے مطابق زیادہ توجہ کا مستحق ہے اور وہ ہے بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ اتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ کریم نے جس کے احسانات شمار سے باہر ہیں مومنین کو یاد دلایا ہے کہ میں نے تم پہ کرم کی انتہا کر دی۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا۔ یہی وہ عالی مرتبت ہے جس کی بعثت سے قصر نبوت کی تکمیل ہوئی اور اللہ کے بندے جو بڑے سے بڑا اعزاز بارگاہ الوہیت سے پا سکتے تھے۔ وہ ان کو نصیب ہوا دین کی تکمیل اور اتمام نعمت کا مژدہ جانفزا جو سماوی میں گونجا اور اس مشت خاک کو اٹھا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے روبرو کر دیا۔

'کر دیا ہم سخن بندوں کو الٰہ سے تو نے'

یہ عظیم کام اس طرح تکمیل پذیر ہوا کہ آئندہ کسی نئے نبی کی بعثت کی احتیاج ہی نہ رہی اور اللہ کے بندوں پہ علوم الٰہی کی بارش اس زور سے برسی کہ زندگی کے ہر ہر قدم اور ہر ہر سانس پہ انہیں خبر ہو گئی کہ میرے مالک کی خوشنودی کس طرف ہے۔

یہ اتنا بڑا انقلاب تھا جس نے خلق خدا کے دلوں کو نہ صرف حیات عطا کی بلکہ طلب کی وہ رفعتیں بخشیں کہ چند سکوں پہ دیوانہ ہو جانے والا انسان اب ذات باری کی طلب میں دو عالم کو ٹھکرانے لگا۔ صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ نہ تو بعثت عالی کے ذکر کا اہتمام ہوتا ہے نہ بعثت کا دن سارا سال کہیں منایا جاتا ہے کیوں؟

آخر اتنا بڑا انقلاب جس نے نہ صرف دل بدلے دلوں کے اندر پہنچ کر نہاں خانۂ دل میں جو آرزوئیں جنم لیتی ہیں انہیں تبدیل کر دیا اور مشت غبار کو وہ طلب عطا کی جو صرف اور صرف انسانی دل ہی کا خاصہ ہے وہ دل جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ فدا ہو جائے۔

اور وہ قوت برداشت بخشی کہ جس تجلی کا ایک شمہ فراز سینا کو جلا کر خاک سیاہ کر گیا اسے چٹانوں کو سینے میں بدل دیا دل مومن کی غذا ٹھہری اس میں آ کر بس گئی اور اس کی طلب ٹھہری تو پھر اس کا ذکر کیوں نہیں؟

ٹھہریئے! سنیئے ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ ولادت باسعادت کے ذکر خیر میں صرف لینا ہے۔ دینا کچھ نہیں۔ برکات کا تذکرہ ہے خواہ اس نور کی بات ہو جس سے وادی مکہ منور ہو گئی۔ یا اس کمزور سواری کا تذکرہ جو ننھے منے سوار کے طفیل سب سے آگے آگے جا رہی تھی۔ حلیمہ سعدیہ کے گھر کی بات ہو یا تعمیر کعبہ پہ برپا ہو نیوالے فتنے کا حل۔

تجارتی قافلے کی کامیابی کے تذکرے ہوں یا امانت و صداقت کے چرچے انسانیت بلکہ خلق خدا زمین ہیاڑ اور پتھر باغ اور کھیتیاں تک برکات حاصل کرتی رہیں اور ابھی تک یہ لذتیں اپنی باتوں کو دہرانے پر مجبور کرتی ہیں۔

مگر بعثت پہ دینا بھی پڑا جو کیا دینا؟ اللہ کو کسی سے

ابدال:۔ اس منصب پر اولیائے کرام بدل بدل کر آتے رہتے ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا مقرر ہوتا ہے۔ یہ منصب بھی بڑا بلند مقام ہے ان مقامات اور مناصب کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل اور شیخ کامل کی توجہ اور تربیت پر موقوف ہے۔ (حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے اور ہر شخص اپنے ہی لیے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ طبعاً اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے مگر یہ حضرات (اولیائے کرام) اسی خدمت پر مامور ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں اور مخلوق کی بھلائی کے لیے دعا کریں۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ)

کچھ لینے کی کیا ضرورت اور اس کے حبیب کو اس کے سوا دوسرے سے کیا غرض ۔ نہیں آپ کی غرض کے لیے نہیں اپنی غرض کیلئے اپنے کٹے پھٹے دل، کمزور ارادے اپنی ناتمام آرزوئیں یہ سب دینا پڑیں اور ان کے بدلے معرفت باری کے وسیع سمندر عطا ہوگئے۔

زندگی بدل گئی ۔ مومن نے اپنی پسند قربان کر دی اور اس کے بدلے بارگاہ نبوت سے اللہ کی پسند عطا ہوئی ۔ اس کا سونا جاگنا، دوستی، دشمنی، کاروبار اور تجارت، خانگی زندگی اور ملکی امور سب، اللہ کی پسند کے تابع ہوگئے۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ آدمی کی عقل اس کی حدود متعین کرنے سے قاصر و عاجز۔

مگر انسان کی سادگی کو کیا کہیے کہ آج اس سودے سے پھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ ظاہر شکل سے لے کر لباس تک میں کفار کی مشابہت کو باعث فخر جانتا ہے اور باطن میں کافر معاشرے کی رذالتوں کو پانے کی خواہش چھپائے پھرتا ہے ۔ اس کے ساتھ برکات نبوت سے بھی ہاتھ دھونا نہیں چاہتا ۔

چنانچہ وہ تذکرہ تو بڑے ذوق سے کرتا ہے جس میں بغیر ایمان اور اتباع کی قید کے دنیاوی نعمتیں تقسیم ہوتیں اور ہر ایک کو سیراب کرتی چلی گئیں۔

مگر جب بعثت ہوئی تو نہ صرف دنیا بلکہ دو عالم بٹنے لگے ۔ مگر ایمان کامل الیقین محکم اور کامل اتباع کی شرط کے ساتھ۔

اب شاید ہمیں یہ شرط بھاری معلوم ہوتی ہے حالانکہ ایسا نہیں، صرف ایک بات پہ نظر ہو تو دیکھیں ہمیں دینا کیا ہے۔ اپنی پسند جو ناقص ناتمام اور محض خواہشات کا مجموعہ ہے اور بدلے میں کیا مل رہا ہے اللہ کی پسند جو مقصد حیات ہے اور جس کی رفعتیں لامحدود۔

اے اللہ تو ہمیں پھر سے ولولۂ تازہ عطا کر، آمین!

ولادت باسعادت نے اگر فضاؤں میں نور بکھیرا تو بعثت نے انسانی قلوب کو روشن کر دیا اور سراج منیر کی ضیا پاشیاں بعثت ہی پر اجڑے دلوں کی آبادی کا سبب ہے، ولادت باسعادت سے اگر زمین نے خزانے اگلے تو بعثت عالی نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و حیدرؓ کی صورتیں نوع انسانی کو عطا کیں۔ ولادت باسعادت سے اگر چمن حیات کی آبیاری ہوئی تو بعثت عالی نے اسے منزل سے آشنا کر دیا۔ یہ کمال بعثت سے متعلق ہے کہ نہ صرف نور اسلام کا ظہور ہوا بلکہ ذات باری عز اسمہ کا ذاتی کلام مسلمانوں کے لیے نوید حیات لایا اور یوں ملائکہ بھی تخلیق انسانی کے اعلیٰ ترین مقصد کو اپنے روبرو دیکھ سکے۔

بعثت عالی نے بظاہر کمزور، غریب اور ناتواں وجودوں کو وہ عالی حوصلگی عطا کی کہ حضرت یاسرؓ کا غریب گھرانا ابوجہل جیسی پرجبل چٹان کے سارے مظالم کو خاطر میں نہ لایا اور یوں باطل قوتوں کا زعم بھی باطل ہو کر پاش پاش ہونے لگا۔ یہ بعثت عالی تھی جس نے سسکتی بلکتی انسانیت کے خون چکاں زخموں پہ عدل و انصاف کا مرہم رکھا اور دنیا پہ ظلم کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں مدینہ منورہ سے شمس رسالت کی ضیا پاشی شروع ہوئی اور دیکھتے دیکھتے جزیرۃ العرب کو بتوں سے پاک ۔ شرک سے مبرا، ظلم و جور سے خالی اور عدل و انصاف اور مساوات اسلامی سے بھرپور ریاست نصیب ہوئی۔

بعثت عالی ہی اس شمس نبوت کا وقت طلوع جو کبھی غروب نہ ہوگا جس نے بنی نوع انسان میں فرشتہ سیرت قوم پیدا فرمائی جس کے باعث رحمت الٰہی یوں تقسیم ہوئی جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش نہیں کر سکتی۔

ربع صدی کے اندر اندر ہندوستان کی صنم پرستی وسط ایشیا کی جہالت یورپ اور مغرب کی بربریت افریقہ جیسے براعظموں کی جہالت انسانیت کے خوبصورت چہرے سے اپنے ظالمانہ دامن سمیٹنے پر مجبور ہوگئی۔

سرزمین ایران کو صدیوں بعد ظلم و جور آتشکدہ نار جہنم سے گلو خلاصی نصیب ہوئی۔ چشم فلک نے بنی آدم کو انسان بنتے اور انسان بناتے دیکھا۔

کیا وہ صحرا وہ جنگل وہ وادیاں اور کوہستان وہ دریا اور سمندر نور کی بارش کو فراموش کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں اسی سیل نور میں بیت اللہ شریف سے بتوں کا قبضہ ٹوٹا اور بحمد اللہ آج تک اللہ اکبر کے نغمہ جانفزا سے گونج رہا ہے یہی تار حیات ہے اور یہی بقائے دوام کا سبب یہی ہماری شناخت اور پہچان ہے، دنیا میں قبر میں حشر میں تو آخر ہم اس کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے۔ بعثت کا دن کیوں نہیں مناتے۔ اسکی اہمیت و افادیت کی عظمت کہاں گئی۔

آؤ اسے تلاش کریں اور خود کو اس پہ وار دیں کہ یہی اس مشت غبار کی سب سے اعلیٰ قیمت ہے۔

کردار اور دل

حضرت مولانا محمد اکرم

قرآن حکیم نے ہدایت اور ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے۔ جو لوگ اپنی بدقسمتی سے ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں اُن کے قلوب مُردہ ہو جاتے ہیں۔ ظاہری جسمانی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دماغی قوا جو ہیں اُن پر کوئی اثر نہیں پڑتا سماع اور بصارت ظاہری باقی رہتی ہے۔ بات سنتے ہیں بات سمجھتے ہیں دنیا کے سارے کام کرتے ہیں لیکن دل مُردہ ہو جاتے ہیں۔ اور دل کے مُردہ ہونے کا سبب انسان کے وہ اعمال ہوتے ہیں جو وہ اپنے خواہشات نفس یا شیطان کے تابع ہو کر کرتا ہے۔

اللہ کریم گذشتہ اقوام کے حالات بطور مثال پیش فرماتا ہے کہ انبیاء مبعوث ہوئے تو جن لوگوں نے اُن کی خدمت میں آ کر ایمان قبول کیا اُن کا انجام دنیا میں کیا ہوا اور آخرت میں کیا ہوگا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں دنیا میں کن مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آخرت میں اُن کا انجام کیا ہوگا۔

وضاحت کے ساتھ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ رب العالمین نے انسان کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو شکر گزار بن جائے اور چاہے تو انکار کر کے بھی دیکھ لے۔ اگر اس پر فیصلہ مسلط کیا جائے تو اس کا اختیار نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان حق سے سننے کے باوجود بھی بعض لوگ ایسے ازلی بدبخت تھے کہ وہ کافر رہے۔ کتنی ہی وزنی دلیل یا کوئی بڑی معقول بات بھی کہی جائے تو جواب میں کافر یہ کہتے ہیں کہ ان بے چاروں کو دھوکا ہوا ہے یعنی بجائے اس کے کہ وہ اس سے اثر پذیر ہوں یا اُس سے فائدہ حاصل کریں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں دھوکا لگا ہے۔ ایک بات حق بھی ہو پھر اُس حق کو اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں، اللہ کی بات بندوں تک پہنچانے کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہو آپ کا اندازہ تخاطب ہو۔ وہ قوت بھی اس کے ساتھ ہو آپ کا حسنِ جمال آپکی برکات آپ کے انوارات بھی ساتھ شامل ہوں۔ اتنی ساری خوبیوں کے باوجود کافر سُن کر یہ کہہ دے کہ دھوکا لگا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟

الفاظ کی بندش کے ساتھ آواز کی خوبصورتی بھی شامل ہو جائے اور بیان کرنے والے کا ذاتی حُسن بھی ہو تو انسانی مزاج ایسا ہے کہ ان سب باتوں کو وہ نہیں ٹھکرا سکتا جہاں تک کلام کے حُسن کا تعلق ہے کلام الملوک ملوک الکلام بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ کلام ہو رب العزت کا تو وہ بے مثل بے مثال ہوگا۔ بیان فرمائیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تو حسن کلام کے ساتھ آواز کا حُسن آپ کی ذات کا جمال اور آپ کے برکات و انوارات شامل ہو کر اُسے کتنا موثر اور کتنا پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ بات حق ہو، خوبصورت ہو، انداز بیان دلنشین ہو، بیان کرنے والا بے مثال انسان ہو تو یہ سب کچھ سننے کے باوجود بھی انسان اثر پذیر کیوں نہیں ہوتا۔ اور صرف متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان بے چاروں کو دھوکا لگ رہا ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے کیا ان کے ذہن ماؤف ہو گئے۔ اُن کی عقل ماری گئی۔ وہ سُن نہیں سکتے۔ اُن کے کان نہیں ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے۔ آنکھ نہیں ہے یا وہ جانچ نہیں سکتے۔ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اصل میں کلام باری کا محل دماغ نہیں ہے، کلام

الٰہی کو سمجھنا یا اس کا تجزیہ کرنا دماغ کا کام نہیں ہے۔ اس کا محل قلبِ انسانی ہے۔ یہ استعداد صرف قلب کو دی گئی ہے کہ وہ عالم بالا کی بات کو سمجھ سکے۔ عالم بالا کے ساتھ رابطہ قائم کرنا وہاں کے حالات کو سمجھنا، وہاں کی بات کو سننا، وہاں تک اپنی رسائی پیدا کرنا، اور وہاں تک اس قدر تعلق پیدا کر لینا کہ آدمی زمین پر ہو لیکن اُس کا کردار عرش نشینوں جیسا ہو۔ وہ زمین پر رہتا بستا ہو کھاتا پیتا ہو چلتا پھرتا ہو لیکن اُس کا وجود اُس کی روح لامکان میں رہتی ہو اور لامکاں کی وسعتیں اکثر سالکانِ طریقت کے فہم سے بہت بالاتر ہیں۔

لامکان فوق فہم سالکان

اس راہ کے سارے مسافر وہاں تک نہیں پہنچ پاتے سمجھنے کے لیے یہ کیفیت ضروری ہے کہ آدمی کا دل زندہ ہو اور وہ اس راستے پر چل رہا ہو۔

لیکن کافر کی مصیبت یہ ہے۔ ذٰلِکَ یُطْبِعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ

ان جاہلوں کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔ کفر میں بھی انسانی کردار متاثر کرتا ہے۔ ایک شخص کو دعوت الٰہیہ پہنچی ہی نہیں کسی نبی، کسی رسول کا پیغام نہیں پہنچا۔ اگر اُس کا کردار انسانی ہے اس میں دوسروں کے لیے جذبہ ہمدردی ہے، دوسروں کے حقوق چھیننے سے ڈرتا ہے۔ اُس کے اخلاق نیک ہیں تو اُس کے دل پر مہر نہیں کی جاتی۔ اُس میں قبول ایمان کی استعداد باقی رہتی ہے جب اُس کے پاس انفادات نبوت میں سے کوئی شمع نور کا پہنچتا ہے تو فوراً منور ہو جاتا ہے، ایمان لے آتے ہیں۔

لیکن کردار چھوٹ جائے، عملی زندگی میں انسان دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کرے۔ تو مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ انسان کی اخروی زندگی اور قبول ایمان کی استعداد پر کردار کا اتنا اثر ہوتا ہے، ہر برائی دل پر ایک سیاہی پیدا کرتی ہے جسے صرف اور صرف توبہ اور پشیمانی کے آنسو دھو سکتے ہیں برائی اگر چھوٹی بھی ہو اور اُسے مسلسل دہرانا شروع کر دیا جائے تو اُس پر مہر کر دی جاتی ہے۔

ہر فرد کا تعلق براہ راست رب جلیل سے ہے اور یہ اتنا خفیہ تعلق ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور نہیں جانتا سب سے زیادہ وسیع اور باریک بیں نظر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ سب سے زیادہ علوم من جانب اللہ جس ہستی کو عطا فرمائے گئے وہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ فرماتے جب لوگ جنت اور دوزخ کو جا چکے ہوں گے۔ میدان حشر خالی ہو جائے گا۔ تو اُس وقت آپ کو یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جن کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو گا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے، اپنی بداعمالی کی وجہ سے جہنم میں چلے گئے ہیں انہیں جہنم سے نکال لیجیے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے کہ بار الٰہ جن میں کوئی شمع ایمان کا تھا وہ میں نے دوزخ سے نکلوا دیئے جنت میں داخل کروا دیئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں اس کے بعد تین لپیں بھر

صوفی کا کردار

... کا مدار صوفی
عام مسلمانوں کے اعمال میں صالح
رکھنے والے تو
کے کردار پر ہوتا ہے۔ بالا رادہ
صوفی ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس طلب سے
محروم ہوں وہ بھی غیر معلوم طریقے سے مستفیض ہوتے
رہتے ہیں۔ اور اگرچہ صوفی نہیں ہوتے لیکن متعلقین
ضرور ہوتے ہیں۔ اس طرح جو برکات نبوی علی
صاحب الصلوٰۃ والسلام اہل تصوف کے سینوں میں
چلی آتی ہے۔ وہ ان کی ذات کے لیے نہیں ہوتیں۔
بلکہ تمام اُمتِ مسلمہ کی امانت ہوتی ہیں اور بغیر
جانتے ہوئے بھی وہ دل جو ایمان کا کوئی شمہ بھی
رکھتا ہو ان سے خود بخود مستفیض ہوتا رہتا ہے
اب اگر یہ حضرات اپنے مجاہدات میں سستی
لائیں گے۔ تو نتیجہ پوری اُمت کے بداعمال ہونے
کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اپنی ذات کا جواب تو پھر
بھی دیا جا سکتا ہے۔ کسی حد تک کوتاہی ہو گئی۔
غلطی ہو گئی تو معافی کی درخواست ہو سکتی ہے لیکن
جب اپنی سستی اور بداعمال سے دوسروں کے
حقوق ضائع ہوں تو اس کا جواب مشکل ہے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

کر ذاتِ باری خود دوزخ سے نکالیں گے اُس لپ میں کتنے کروڑ یا کتنے کھرب ہوں گے یہ اللہ ہی جانتا ہے یعنی اتنا باریک درجہ ایمان بھی ہو گا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باریک بین نگاہِ اطہر سے بھی رہ جائے گا۔ جو صرف رب جلیل جانتے ہوں گے کسی اور کو علم نہیں ہو گا۔ یہ ہے فرد کا رب العالمین سے ذاتی تعلق۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ .... وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ لوگوں کے متعلق بتا دیا گیا کہ ان پر آپ محنت نہ فرمایا کریں ان کے پیچھے مت جائیں، باتیں نہ سنائیں، انہیں سمجھانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ آپ کا سمجھانا یا نہ سمجھانا ان کے لیے برابر ہے۔ ان پر بے اثر ہے یہ کبھی نہیں مانیں گے، ایمان نہیں لائیں گے، یہ ایمان لا سکتے ہی نہیں۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ظاہری کان سے نہیں سنتے یا ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھتے فرمایا خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ یعنی ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔

یہاں یہ سوال پیش کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اللہ نے کسی کے دل پر مہر کر دی اور قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں رکھی گئی تو پھر اُس کو جہنم میں جھونکنا اُس کے ساتھ زیادتی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا:

رب کریم زبردستی مہر نہیں کرتے لوگ اپنے کردار سے دلوں پر مہر لگوا لیتے ہیں۔ اس آیت کے تحت مفسرین نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک گناہ کرو تو دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے توبہ نہ کی جائے تو دوسرا گناہ اُس میں اضافہ کرتا ہے تیسرا اُس میں اور اضافہ کرتا ہے اور مسلسل برائی اس ظلمت کو بڑھاتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ جب کلی طور پر دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اُس پر مہر کر دی جاتی ہے یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کے لیے واپسی کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اِس ناقدری کی سزا کے طور پر کہ اللہ نے اُسے قلب عطا فرمایا جو جمالِ باری کی استعداد رکھتا تھا، اللہ کریم سے بات کرنے، بات سننے کی استعداد رکھتا تھا، ساری کائنات کو چیر کر عرشِ عظیم سے بالاتر

حسد

ایک مرید نہایت مودب ہونے کی وجہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کو بہت عزیز تھا جس وجہ سے دوسرے مریدوں کو حسد ہونے لگا۔ آپ نے ہر مرید کو ایک مرغ اور ایک چاقو دے کر حکم دیا کہ ایسی جگہ جا کر ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھ سکے۔ کچھ وقفے کے بعد تمام مرید ذبح شدہ مرغ لے کر حاضر ہو گئے لیکن وہ مرید زندہ مرغ لے کر واپس آیا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں اللہ موجود نہ تھا۔ یہ دیکھ کر تمام مرید اپنے حسد سے تائب ہو گئے۔

عالمِ اَمر اور لامکاں تک پہنچنے کی استعداد رکھتا تھا اُس کو اُس نے بری طرح سے ضائع کیا کہ نفس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذات میں مبتلا ہو کر اسے تباہ کر دیا جب یہ کلی طور پر تباہ ہو جاتا ہے تو دوبارہ بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ گرتے پڑتے اگر اُس کا کوئی کھنڈر باقی ہے تو توبہ سے مرمت ہو سکتی ہے۔ دوبارہ تعمیر ہو سکتا ہے لیکن ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے جب توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

جب دل پر مہر کر دی جائے تو حقائق افسانے لگتے ہیں آج بھی ایک حافظ یا قاری خوش الحانی سے تلاوت شروع کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری کائنات کا نظام ٹھہر گیا ہے اللہ کا کلام ہو اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے ہوں اُن کی آواز آ رہی ہو تو کیا سماں ہوتا ہو گا۔ لیکن مشرکین مکہ کے

ایک خاص طبقے پر کیا اثر ہوا کہنے لگے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

یعنی اس قرآن کو مت سنو جب حضور قرآن پڑھیں تو تم شور کیا کرو۔ اس بات کو چھوڑ دیجیے کہ ایمان نہیں لائے رقبول نہ کیا آواز کی خوبصورتی بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ حسن صوت بھی کوئی شے ہے۔ اُس حسن سے لطف اندوز ہونے کے لیے آدمی سن ہی لیتا ہے کہ آواز مزے دار ہے۔ کتنے خوبصورت الفاظ ہیں جملے کتنے پیارے ہیں، اور کس خوبصورت انداز میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کلام کا سارا حُسن صرف دل کے لیے ہے دل ہی اسے محسوس کرتا ہے۔

میں ایک مغربی محقق کا مضمون پڑھ رہا تھا قرآن کے بارے میں اُس کی رائے یہ تھی کہ میں عربی تو نہیں جانتا ہوں میں نے انگریزی ترجمہ ہی قرآن کا پڑھا ہے۔ .... مستشرق ہے، علوم شرقیہ پر تحقیق کرنے والا آدمی ہے ساری زندگی الٰہی علوم پر تحقیق کرتے گزاری لیکن اُسے قرآن کے معنی تو دور کی بات ہے قرآن سے لطف لینے کا بھی طریقہ نہیں آیا۔ معانی سے مراد تو یہ ہے کہ آپ کوئی میٹھی یا مزے دار چیز کھالیں اور اُس کے اجزاء سے بھی واقف ہوں اگر آپ اجزاء سے واقف نہ بھی ہوں تو اُس کی مٹھاس، اُس کی لذت تو اثر کرتی ہے۔ لیکن وہ غریب اُس سے بھی محروم رہا کیونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔

ہم نے مسلمان ہونے کے باوجود دل کی حیات کی پرواہ ہی نہیں کی۔ اب تو ایسا دور آگیا ہے کہ لوگ دعویٰ اسلام کے ساتھ ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں اس کی ضرورت اور اہمیت ہی سے انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآن الف لیلیٰ کی داستان نظر آتا ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں، اور قرآن پڑھاتے ہیں، لیکن محض کہانیوں کی ایک کتاب کی طرح۔ اعمال پہ اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔ بیان قرآن کر رہے ہوتے ہیں لیکن دل میں دولت کی طلب ہوتی ہے۔ کسی کو سمجھ آنے یا نہ آنے سے انہیں غرض نہیں ہوتی۔ توقع یہ ہوتی ہے کہ سننے والا میرے انداز بیان کی داد دے۔ آپ سامعین سے اندازہ کر لیں کہ مقرر بڑی پُرجوش تقریر کر رہا ہے سامعین سنتے ہیں جب جلسے سے باہر آتے ہیں تو آپ کسی ایک کو روک کر پوچھ لیں کہ آپ کو اُس کا انداز بیان بتائیں گے، زور خطابت بتائیں گے اُس کے جوش اور جذبے کی تعریف کریں گے اُس کے برمحل شعر پڑھنے کی تعریف کریں گے۔ موضوع کیا تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟ وہ کیا سمجھانا چاہتا تھا؟ شاید ہی کوئی آپ کو یہ بتا سکے نہ بیان کرنے والے کی یہ خواہش ہے، نہ سننے والے کو اس کی فکر ہے۔ وہ اپنے زور خطابت کی داد چاہتا ہے، یہ اُس کے حسن خطاب پہ لٹو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جلسے سے نکل کر بیان کرنے والا بھی، بیان سننے والا بھی، اپنے اپنے عمل میں آزاد ہوتا ہے جو جس کے جی میں آئے کرتا ہے۔ تقریر نہ سامع کو متاثر کرتی ہے نہ بیان کرنے والے کو۔

جتنی تبلیغ دین آج ہو رہی ہے تاریخ کے کسی حصے میں اتنی تبلیغ نہیں ہوئی۔ تبلیغی جماعتیں جگہ جگہ درس دیتے ہیں۔ مساجد میں ہر جمعہ بیان ہوتا ہے۔ اخبار میں درس قرآن کے لیے جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ رسالے ہیں جو صرف مذہبی تعلیم پھیلاتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریریں اور درس آتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی شروح بیان کی جاتی ہیں اس سب کا کیا اثر ہے؟ ریڈیو سٹیشن سے ہم نے کتنے لوگوں کو نمازی بنا لیا ہے۔ ہم ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہیں تو اُس کے نتیجہ میں کتنے لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں، وہ لوگ جو ہماری تقریریں ریکارڈ کر کے نشر کرتے ہیں وہ نماز نہیں پڑھتے، اُن کا کچھ بگڑتا سنورتا نہیں۔ جس طرح ایک گویے کا گانا ریکارڈ کر لیا۔ ایک سکالر کی بحث ریکارڈ کر لی۔ اور ریلیز کر دی۔ اسی طرح ایک دینی مقرر کی تقریر ریکارڈ کر لی اور ریلیز کر دیتے ہیں۔ تعریف اگر کرتے ہیں تو کہتے ہیں آپ کی آواز بڑی خوبصورت ہے۔ بہت اچھی ریکارڈ ہوتی ہے۔ آپ کے الفاظ بہت خوبصورت تھے آپ کے جملے بڑے خوبصورت تھے چھوٹے چھوٹے جملے تھے مگر معنی بہت تھے۔ آگے کچھ نہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے قلوب کو مرنے نہیں دیا تو انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑا۔ اگر ہمارے قلوب میں کوئی حیات باقی ہے تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ جہاں تک ہمارے کردار کا تعلق ہے دل اگر مُردہ نہیں ہے تو بے ہوش ضرور ہے بے ہوش اور مُردہ میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ یہ سانس لیتا رہتا ہے وہ سانس نہیں لیتا۔ جس طرح مُردہ نفع نقصان سے بے خبر ہوتا

ہے۔ اسی طرح بے ہوش بھی بے خبر ہوتا ہے یہ تمام کوشش کوئی اثر نہیں کرتی۔

حج کے موقع پر ایک دفعہ صدر مملکت ضیاءالحق نے ایک جملہ کہا تھا کہ ہمارے ہاں سے پچاس ساٹھ ہزار حاجی ہر سال حج پر جاتے ہیں نصف صدی ہونے کو آئی ہے اس ملک کو بنے ہوئے کاش وہ حاجی ہی سدھر جاتے تو آج تک آدھی سے زیادہ آبادی نیک اور صالح لوگوں کی ہوتی۔

دو آدمیوں کا ملکیت کا کوئی تنازعہ تھا، گورنمنٹ نے کمشن بھیجا۔ انہوں نے پیمائش کی۔ ریونیو ریکارڈ والے پاس موجود تھے۔ ایک فریق نے سات حج کیے تھے میں نے اُس سے پوچھا کتنی دفعہ حج پر گئے ہو۔ "سات دفعہ گیا ہوں" میں نے کہا خدا آپ کو آٹھویں دفعہ بھی لے جائے سچ بتا دو اس ساری پیمائش کے نتیجہ میں تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ کہنے لگا مجھے آپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی" میں نے کہا تم نے سات حج کا سرمایہ ضائع کر دیا کم از کم وہ رقم پاس رکھ لیتے۔ سات دفعہ حج پر جانے کے باوجود تم سچ کو سچ نہیں کہہ سکتے کیا فائدہ تمہارے اس سفر کاٹنے کا۔ تمہارے نہ کہنے کے باوجود عدالت اُسے کہہ دے گی کتنا اچھا ہوتا اگر مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر تم اپنے حج کے طفیل حق کو حق مان لیتے اور کہتے کہ مجھے عدالت کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے میں جو کچھ نہ سمجھا۔ اب سمجھ لیا۔ ہوا یہی کہ عدالت نے اُسے حکم دے دیا اور اُسے ماننا پڑ گیا۔ لیکن اُس کے حج اُس سے نہ منوا سکے تو کیا فائدہ۔

جب عملی زندگی پر حج کا اتنا بھی اثر مرتب نہیں ہوتا تو کیا حج میں کوئی اثر نہیں ہے؟ بیت اللہ میں کوئی اثر نہیں ہے؟ یا صفا اور مروہ کی بھاگ دوڑ سے کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی؟ میدان عرفات میں آنا جانا یہ سارا فالتو کام ہے خدا نے بلاوجہ لوگوں پر مسلط کر دیا ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہے؟ کوئی حکیم ایسی دوا بھی کھلاتا ہے جس میں کوئی اثر نہ ہو؟ ان سب میں اثر موجود ہے لیکن اثر پذیر ہونے کے لیے قلب چاہیئے محض پمپنگ مشین نہیں، لطیف قلب چاہیئے۔ جو عالم امر سے اس پمپنگ مشین میں ودیعت کیا گیا ہے اُس کی زندگی درکار ہے۔ اگر وہ زندہ ہو جائے تو حج پر نہ جا کر بھی عظمت کعبہ اس پر واضح رہتی ہے۔ لیکن اگر دل زندہ نہ ہو تو یہ آنا جانا ایک پکنک ٹرپ کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھ لیں کر گئے، سیر کی اور آ گئے ورنہ وہاں تو عجیب عجیب کیفیتیں ہوتی ہیں۔

؎ سیاہی آنکھوں کی لے کر میں تجھ کو نامہ لکھتا ہوں
کہ جب نامے کو تُو دیکھے امیری آنکھیں تجھے دیکھیں

بیت اللہ شریف میں جا کر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ یہی وہ پتھر ہیں جنہیں حضورؐ نے بھی دیکھا ہے یعنی آپ کو سارے آثار مٹتے نظر آئیں گے۔ لیکن یہ پتھر تو وہی ہیں جن پر حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نگاہ پڑی ہے۔ اس کے اپنے انوارات، تجلیات باری عظمت بیت اللہ، ان ساری چیزوں کے ساتھ کتنی مزے داریاں کہ اُس نگاہ کو آپ کی نگاہ بوسے دے سکتی ہے جو نگاہ اس پتھر میں سمو گئی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وہ محض پتھر تو نہ رہے بڑی برکات کے ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پھر بھی ہم پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حق تو یہ تھا کہ جو نگاہ پاک اُن پتھروں سے ہماری نگاہ کے ساتھ ٹکراتی وہ آنکھوں کے راستے سینے میں، دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی۔ ہماری زندگی کو بدل دیتی۔ ہماری سوچ کو بدل دیتی۔ سوچ کے انداز کو بدل دیتی۔ لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم وہاں سے بہت چیزیں خرید لاتے ہیں۔ اللہ نے اجازت دی ہے منع نہیں۔ قیمتاً خرید کر لاتے ہو بیچ سکتے ہو لیکن کچھ برکات بھی لانی چاہئیں، دل ویسے ہی مردہ لے آئے اور دنیا ہی لے کر آ گئے۔

آج اس دور سے پہلے، تقسیم ملک سے پہلے کے علماء کی تاریخ پڑھیں تو ہر عالم کی زندگی میں آپ کو یہ بات ملے گی کہ فلاں مدرسے سے تکمیل علم کیا، پھر فلاں بزرگ کے پاس اتنا عرصہ رہ کر اُن کی توجہ حاصل کی یا اُن کی خدمت میں رہے ہر عالم کا طریقہ یہ تھا کہ جب مدرسے سے فارغ ہوئے کسی خانقاہ کا رُخ کیا سال دو سال چار سال جتنا نصیب تھا اُن بزرگوں نے پاس رکھا اُن کے پاس رہے، اپنے آپ کو سنوارا، کمالات باطنی اور حیات قلبی حاصل کی، پھر میدان میں آئے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ اوّل تو کوئی تکمیل نصابات کرتا نہیں ہے۔ طالب علم مدرسوں میں جاتے ہیں۔ صرف تقریر کرنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے تو مدرسہ چھوڑ کے چلا جاتا ہے اور مدرسے ایسے بن گئے ہیں جو

تقریر کرنا سکھا دیتے ہیں۔ ایسے مدرسے ہمارے ملک میں موجود ہیں سب فنڈز لیتے ہیں۔ امداد لیتے ہیں زکوٰۃ لیتے ہیں قربانی کی کھالیں لیتے ہیں جو کچھ ملتا ہے لیتے ہیں لیکن سال میں ایک مہینہ آپریٹ کرتے ہیں۔ رمضان شریف میں لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں۔ انہیں چند تقریریں یاد کروا دیتے ہیں اور سند دے دیتے ہیں کہ یہ شخص فارغ التحصیل عالم ہے۔ باقی سارا سال گلی محلے کے بچوں کو الف ب ت پڑھاتے رہتے ہیں۔

ہمارے دینی علم کی یہ حالت ہے۔ دوسری زیادتی یہ ہے کہ تقریریں رٹ کر میدان میں آنے والے علماء کے پاس تو قلبی حیات ہوتی نہیں، نہ وہ اس موضوع سے واقف ہوتے ہیں۔ اپنی اس کمزوری کو محسوس کرنے کی بجائے اُس کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی سب خرافات ہیں۔

ایک بہت بڑے مشہور عالم نے حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات میں کسی دوست سے کہا کہ یہ مسمریزم کرتے ہیں۔ اُس نے کہا "مولانا ایک بات بتاتا ہوں میں بدکار تھا آپ کی تقریریں مجھے متاثر نہیں کر سکیں۔ میں تو آپ کے شہر میں آپ ہی کے پڑوس میں رہتا ہوں۔ البتہ اس مسمریزم نے مجھے برائی سے نیکی کے راستے پر ڈال دیا۔ اگر یہ مسمریزم ہی ہے تو میرے لیے اکسیر ہے۔ جو مسمریزم شیطان سے چھڑا کر اللہ کے دروازے پر کھڑا کر دے۔ اگر آپ اُسے مسمریزم کہیں تو بھی میرے لیے باعث حیات ہے۔" کتنی خوبصورت بات اُس نے کہی آپ کوئی نام رکھ لیں۔

اس دور کی بے نصیبی اور بدقسمتی ہے کہ حیات قلب کا حصول تو دور رہا، اس بات کا اقرار کرتے ہوئے لوگ گریزاں ہیں کہ یہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ رابطہ الٰہی اور وہ تعلق جو بحیثیت مخلوق اپنے خالق سے استوار کیا جا سکتا ہے یا جسے آپ ایمان کہیں آپ اُسے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیں یا عشق رسول کا نام۔ کوئی بھی دیں۔ بات ایک ہی ہے کہ دل زندہ ہو جائے۔ یہ ساری باتیں اس کے مفاہیم بن جاتی ہیں۔ اس کی مختلف جہتیں بن جاتی ہیں اصل ایک ہی رہتی ہے کہ دل زندہ ہو اگر دل مر جائے تو مردوں کو جس طرح ہم دفن کر دیتے ہیں اُسی طرح اُس مردے پر من جانب اللہ گور کر دی جاتی ہے فرمایا۔

ذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ دیکھو لَا يَعْلَمُوْنَ کہا کچھ نہیں جانتے۔ جاہل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بڑے فاضل ہیں لیکن جب دل مر جاتا ہے تو اُس کے پاس از قسم علم کچھ بھی نہ رہا معلومات کا ذخیرہ رہ گیا۔

اب اس کے جواب میں کیا ہوتا ہے فَاصْبِرْ آپ صبر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیجیے وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ بلاشک اللہ کا وعدہ تو کھرا ہے بات تو اسی پر قائم ہے۔

میدان حشر قائم ہوگا۔ فیصلہ ہوگا اور جو لوگ یقین نہیں کرتے۔ اے میرے حبیب ان کا یقین نہ کرنا آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یقین نہ کرنا خود ان کے لیے وبال جان ہے آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

تو پیام الٰہی کا محل ہی قلب ہے۔ اس میں نہ صرف حیات چاہیئے بلکہ اس میں ہوش اور حواس چاہیئے۔ اس میں زندگی کی خصوصیات چاہئیں۔ اللہ کریم عطا فرمائے۔

آپ نے کسی حد تک ضرور تجربہ کر لیا ہوگا کہ ذکر قلبی اور حیات قلبی کی جستجو میں نکلنے کے بعد گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے۔ نیکی کی لذت اور اُس کی شیرینی محسوس ہوتی ہے اور ذکر میں آنے سے پہلے اور ذکر کے بعد کی نمازوں میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل ہی وہ شے ہے جو اس مٹھاس کو محسوس کر سکتا ہے۔ جب ہم اس کی حیات کی طرف چلتے ہیں تو اللہ کریم جتنا جتنا یہ نعمت عطا فرماتے جاتے ہیں۔ دل اتنا مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے ان چیزوں میں ایک نیا لطف ایک نئی لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ گناہ سے نہ صرف نفرت ہوتی ہے بلکہ اُس کی تلخی اور کڑواہٹ محسوس کرتا ہے اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کریم توفیق ارزاں فرمائے۔

(سالانہ اجتماع دارالعرفان)

(۱ جولائی ۱۹۸۷ء)

انسان کی درماندگی

—— حضرت مولانا محمد اکرم

قرآن حکیم کے نصیحت کرنے کے اپنے انداز ہیں۔ کبھی محبت الٰہی کی بات کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ۔ اور یہ بڑا انوکھا انداز ہے کبھی انسانی مزاج کے لالچ کو سامنے لاتا ہے پھر دائمی اور ابدی راحتوں اور نعمتوں کی بات کر کے کہتا ہے اگر تمھیں لالچ ہی کرنا ہے۔ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ اور اگر تمھیں لالچ ہی کرنا ہے تو دائمی نعمتوں کا اور ابدی راحتوں کا اور اللہ کی رضا کا کرو۔ کبھی خوف دلاتا ہے کہ تم جو ذرہ ذرہ سے نقصان سے ڈرتے ہو تھوڑی تھوڑی بات پہ خوف زدہ ہو جاتے ہو سزا کے خوف سے ڈرتے ہو۔ نقصان کے خوف سے ڈرتے ہو تو تمھیں اللہ کی گرفت سے ڈر نہیں آتا۔ کبھی عظمتِ الٰہیہ کو بیان فرماتا ہے۔ کہ بہت بلند و برتر ہستی ہے۔ تمھارے علم تمھارے عقل، تمھاری سمجھ اور تمھاری دانش کی تمام بلندیوں سے بلند تر۔

اس آیت کریمہ میں انسان کی ذاتی درماندگی، بے بسی اور بے کسی کو ارشاد فرمایا ہے۔ یہ مختلف اسالیب ہیں یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ کفار یا بدکار لوگ جو طرح طرح کی باتیں اعتراضات خرافات، تمسخرانہ انداز اور عجیب عجیب قسم کی بے سرو پا باتیں کرتے ہیں تو اے مخاطب:

فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ ایسی باتوں سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مومن جب اپنے اردگرد معاشرے میں پھیلی ہوئی خرافات کو دیکھتا ہے۔ اُن کھاتے پیتے عیش کرتے لوگوں کو دیکھتا ہے تو وہ کسی حد تک یہ سوچنے لگتا ہے انسان ہوتے ہوئے یہ لوگ اللہ کی اطاعت تو درکنار، اللہ کو ماننے سے ہی گئے۔ اس کے باوجود بڑی موج کر رہے ہیں، بڑی عیش کر رہے ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اُن کے پاس اقتدار ہے عہدے ہیں کوٹھیاں ہیں، کاریں ہیں۔ فرمایا: نہیں تم اس بات پر نہ جاؤ تم یہ بات اپنے ذہن میں رکھو اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ تم نے صرف وہ بات سنی ہے جو یہ زبان سے کہتے ہیں لیکن میں اُن کی اس حالت کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ جو ان کی زبان پہ نہیں آتی دل میں ہوتی ہے۔ مت بھولو کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ میرے روبرو کر رہے ہیں اور اللہ کے روبرو اُسی کا مسخر، اُسی کی نافرمانی، اُسی پر ایمان نہ لانا، تم نہیں جانتے یہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں۔ اس عارضی فرصت پر نہ جاؤ تجزیہ کرنا چاہو تو ان چہک چہک کر بولنے والوں سمیت ذرا سوچو۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ۔ انسان اگر اپنی حیثیت کو سمجھنا چاہے تو کیا وہ یہ نہیں دیکھتا اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ ہم نے تو اُسے ایک قطرے سے وجود بخشا ہے پھر انسان شہنشاہ بن جائے کوئی بہت بڑا با اقتدار ہو جائے۔

اُس کی تخلیق کا وہ انداز اپنایا ہے کہ اُسے عجز و درماندگی کے ساتھ اپنی ذلت و کمزوری کا احساس بھی ہوتا رہے انسانوں کے وجود میں آنے کا راستہ ہی ہم نے ایک قطرے کو رکھا ہے۔ یَخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ جو پسلیوں سے سینے

سے اور صلب سے ہو کر آتا ہے اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اُسے کوئی سا بھی نام دے لیں کم مائیگی اور بے مائیگی کا اظہار کرتا ہو تو وہ سارے نام اُس پر درست بیٹھتے ہیں فرماتے ہیں یہ میری صنعت ہے کہ ایسے قطرے کو میں انسانی وجود کی شکل عطا کرتا ہوں۔ پھر یہ میری عطا ہے کہ میں اس مادی وجود کے ساتھ اُس روح کا رشتہ پیوست کرتا ہوں جو عالمِ اَمر سے ہے۔

انسان کو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اِن دو حیثیتوں میں سے کس حیثیت کی طرف وہ جانا چاہتا ہے کیا وہ واپس اُن مادی ذلتوں میں جانا چاہتا ہے یاد رکھو اُس قطرے کی حیثیت نہیں، وہ ناپاک ہے نجس ہے اور جب وجود سے خارج ہوتا ہے تو سارا وجود ناپاک ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی اِس اصل کی طرف پلٹے گا تو یقیناً بارگاہِ الوہیت سے دور ہوتا جائے گا۔ اور بد سے بدتر مقام کی طرف اُس کا سفر ہوگا۔ نتیجتہً اس ذلت میں گر جائے گا جس کا اس دنیا میں کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ انسان کی دوسری حیثیت اُس کی روح، امرِ الٰہی سے متعلق ہے اور عالمِ امر کی عظمتوں کو جاننے کے لیے اتنا کافی ہے۔

کہ جب ساری تخلیق کی حدود ختم ہو جاتی ہیں تو اس سے بالاتر عالمِ اَمر کی حدود شروع ہوتی ہیں، عرش ہے، کرسی ہے جنت ہے، فرشتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں مخلوق ہیں۔ جب عرش و کرسی کی حدود بھی ختم ہو جاتی ہیں جہاں ملائکہ کی پہنچ ختم ہو جاتی ہے۔ جنت بھی پیچھے رہ جاتی ہے۔ بلندیاں دم توڑ دیتی ہیں، جہاں وجود کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ تخلیق کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ اُن بلندیوں سے عالمِ امر کی سرحد کی ابتدا ہوتی ہے۔ اب جو شخص اپنی اِس حیثیت کی طرف پلٹتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح وہ مادی حیثیت کی طرف پلٹے اُسے مادی غذا، مادی لذتیں مادی دوائیں، درکار ہیں۔ اِس طرف پلٹے گا تو اُسے روحانی غذا، روحانی برکتیں، روحانی قوتیں، درکار ہوں گی۔

اس بات پہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں کہ لوگ کس طرح کی خرافات بکتے ہیں مگر عیش کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو یہ کہ وہ کس طرح سفر کر رہے ہیں، ہمیں یہ اندازہ کرنا چاہیئے کہ جو شخص سر بازار دین سے تمسخر کرتا ہے یا آخرت کا مذاق اُڑاتا ہے۔ یا اللہ کی اطاعت نہیں کرتا تو اپنی ان دو حیثیتوں میں سے کسی حیثیت کے قریب ہوتا جا رہا ہے پھر اپنے آپ کو دیکھو تم کس طرف بڑھ رہے ہو۔ یہ دنیا تو ایک میدان عمل ہے۔ کسی کا کوئی کلمہ یا کوئی لفظ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے ہر عمل پر ہر کلمے پر اُس کا نتیجہ اُس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔

ایک قطرے سے پیدا ہونے والا انسان فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ۔ آج اپنی بڑی مردانگی کا بڑی قوت کا بڑے علم کا بڑے فلسفی ہونے کا مدعی اور بڑے دانش ور ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور سر میدان جھگڑے کو تیار ہے اور کہتا ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا مثالیں دے دے کر احکامِ الٰہی کو جھٹلاتا ہے اخبارِ الٰہی کو جھٹلاتا ہے وَنَسِيَ خَلْقَهُ اور یہ انسان اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے۔ رب العالمین ایک زندہ انسان کے صلب سے ایک قطرہ آب حاصل کرتا ہے اور دوسرے زندہ انسان کے پیٹ میں اُسے انسان بنا دیتا ہے۔ نہ اُسے خبر ہے جس کے صلب میں وہ رہتا ہے کہ میری پشت سے کتنے بچے پیدا ہوں گے نہ اُسے خبر ہے جس کے پیٹ میں تربیت پا رہا ہے کہ بچہ ہو گا، بچی ہو گی، نیک ہو گا، بد ہو گا۔ خوبصورت ہو گا۔ بدصورت ہو گا۔ امیر ہو گا، غریب ہو گا، کیا ہو گا؟ ہو گا بھی یا نہیں، مکمل بچہ صحت مند پیدا ہو گا بھی یا نہیں۔ ہو گا تو اُس کی عمر کتنی ہو گی، اور وہاں کونسا میٹریل ہے کون سے کاریگر ہیں۔ کونسی مشینیں ہیں لگی ہوئیں۔ سبھی تو اللہ کی قدرت ہے جب یہ سب کچھ سامنے ہے تو پھر یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ ہڈیاں تو خاک ہو جائیں گی، پھر انہیں کون زندہ کرے گا۔ ارے نادان ایک باڈی سٹرکچر تھا۔ وہ مٹی میں مل گیا تو کیا ہوا۔

جہاں میٹریل سرے سے تھا ہی نہیں سوائے ایک قطرہ پانی کے وہاں تیرا وجود بن گیا۔ قبریں، گوریں، میدان میں، تیرے وجود کا میٹریل تو موجود تھا کیا ہوا وہ گوشت سے گل سڑ کر خاک ہو گیا، لیکن میٹریل تو سارا وہیں موجود ہے۔ جس نے قطرہ آب سے تیرے وجود کو شکل پذیر کر لیا۔ اُس میٹریل کو دوبارہ زندہ کرنے میں کیا مشکل ہے کیوں تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی فرمایا اُسے کہہ دو۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ اُسے کہہ دو جس نے ایک قطرے سے اتنا بڑا وجود تخلیق کر لیا ہے اُس کے وجود کے بکھرے ہوئے ڈھانچے کو جمع کرنے میں اُسے

کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ اور وہ ایسا قادر ہے کہ تم اُس کی تخلیق کی اقسام تک نہیں گن سکتے یعنی جتنی اُس نے مخلوق پیدا کی ہے تم اُن سب کی قسمیں گننے پر قادر نہیں ہو۔ وہ ایک ایسا قادر ہے ایک شخص کے لیے جو چیز موت کا سبب ہے دوسری قسم اور دوسری جنس کے لیے اُسے حیات کا سبب بنا دیا، ہم سانپ کے زہر سے مرتے ہیں لیکن سانپ خود زہر کے بغیر مرتا ہے ہم آگ سے جلتے ہیں لیکن اللہ کی ایسی مخلوق ہے جو آگ میں پیدا ہوتی ہے۔ ہم پانی میں ڈوب جاتے ہیں لیکن ایسی مخلوق ہے جو پانی سے نکلے تو مر جاتی ہے۔ پانی میں زندہ رہتی ہے۔ ایک طرح کی مخلوق کے لیے جو چیز موت کا سبب ہے دوسری طرح کی مخلوق کے لیے اِسی عالم میں حیات کا سبب ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ وہ کسی طرح سے بھی تخلیق کے معاملے میں مجبور نہیں ہے وہ سب جانتا ہے کہ کس کو کس طرح سے زندہ کرنا ہے تمہیں بھی وہ بتا رہا ہے۔ تو یقیناً زندہ کرے گا تمہارا وجود بکھر کر اُس کی قدرت سے کہیں چھپ نہیں سکتا، غائب نہیں ہو سکتا، جا نہیں سکتا۔ جب یہ وجود دوبارہ اُٹھیں گے تو بات نتائج کی آئے گی، یہ دائرہ عمل ہے دوبارہ زندگی جو ہو گی وہ دارِ جزا ہے یہ عمل کی جگہ ہے وہ اُجرت پانے کی جگہ ہے اور دیکھو اِس بات کو کہ اپنی تخلیق کی اِن دو جہتوں میں سے کون سا انسان کس جہت کو سفر کر رہا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو نیچے گرنا شروع کر دے گا، اُخروی زندگی میں تو اُس کے لیے تکلیف ہو گی ہی، دنیا کی زندگی میں بھی اطمینان اُس کے حصے میں نہیں رہے گا۔

اور جس کو جتنا عروج، روحانی ترقی، روحانی قوت اور عالمِ امر سے رابطہ جتنا مضبوط ہوتا جائے گا۔ اس دنیا میں رہ کر بھی وہ پُر لطف زندگی گزار سکے گا۔ نہ صرف آخرت کے لیے، اِس عالم کے لیے بھی ضروری ہے کہ جس صانع نے اتنی بڑی صنعت تخلیق کی ہے اُس نے اِس کے استعمال کا جو طریقہ بتایا ہے اُس کے مطابق اسے برتا جائے۔ اگر ہم اِس قاعدے کو چھوڑیں گے تو نہ صرف آخرت تباہ ہو گی بلکہ دنیا میں بھی عافیت کا کوئی گوشہ نصیب نہیں ہو گا۔

فرمایا: اے مخاطب، اے مسلمان، اے مومن، جو کفار کا یا بدکاروں کا تمسخر سن کر پریشان ہوتا ہے وہ اپنی حالت پر پریشان نہ ہو بلکہ اُسے ان پر رحم کھانا چاہیئے۔ کہ یہ بے چارے کس سمت جا رہے ہیں۔ تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اللہ کریم دین کی سمجھ اور اُس پر عمل کی توفیق ارزاں فرمائے۔

نگارشات

المرشد آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اشاعت کے لیے اپنی نگارشات بھیج کر تعاون کیجیئے۔ البتہ ان چند باتوں کا خیال ضرور رکھیئے۔

۱۔ لکھائی کاغذ کے ایک طرف ہو، صاف ہو، خوش خط ہو، ایک لائن چھوڑ کر لکھا ہو، مضمون شکستہ خط میں نہ لکھیئے کیونکہ کتابت میں مشکل پیش آتی ہے۔

۲۔ قرآن پاک کی آیات صاف اور صحیح لکھیئے، آیت پوری لکھئے، زیر زبر تک کا خیال رکھیئے۔ آیات شکستہ خط میں ہرگز نہ لکھیئے۔ قرآن پاک سے مقابلہ کر کے آیات کے صحیح ہونے کا اطمینان کر لیجیئے۔

اشاعت کے لیے نگارشات اس پتے پر ارسال کیجیئے۔

ماہنامہ "المرشد" الوہاب مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

انعامات الٰہی

حضرت مولانا محمد اکرم

انسانی زندگی کا ایک مسلمہ اصول ہے جس پر تقریباً ساری نسل عمل کر رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فائدے کیلئے کوئی کام کرتا ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں جو بغیر کسی امید یا توقع کے نری محنت ہی کرتا ہے یہ اور بات ہے کہ ہر محنت کرنے والے کو اس کا مقصود مل نہیں جاتا، کام کرنے کا بنیادی جذبہ یا محنت کی ساری بنیاد اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ اس سے کوئی بہتری حاصل ہوگی۔ اب ہم اس بہتری کو معین کرتے ہیں۔ بعض لوگ شہرت چاہتے ہیں، خواہ اس میں اس کی دولت چلی جائے، آرام بھی چلا جائے یا بہت زیادہ محنت کرنی پڑے کوئی حرج نہیں لیکن شہرت ہونی چاہیے۔ یعنی اس نے متعین کر لیا کہ دنیا میں شہرت حاصل کرنا ایک بہت بڑی کامیابی اور بہتری ہے۔

اب شہرت حاصل کرنے کے مختلف ذرائع ہیں کوئی سیاست میں، کوئی تقریر، تبلیغ اور وعظ میں، کوئی مناظرے میں، کوئی بیل پال کر، کوئی بٹیر لڑا کر، کوئی مرغ لڑا کر۔ یعنی آدمی اپنے لیے کوئی نہ کوئی محاذ منتخب کر لیتا ہے۔ اس پر مسلسل محنت کرتا ہے۔ پیسہ لگاتا ہے۔ اپنے دن رات کی مصروفیات اس طرف رکھتا ہے۔ چونکہ اس نے طے کر لیا ہے کہ جو آدمی شہرت کو حاصل کر لے اس نے کامیابی حاصل کر لی۔

دوسرا آدمی یہ سوچتا ہے کوئی مجھے جانے یا نہ جانے، میرے پاس دولت ہونی چاہیے۔ کوئی میری عزت کرے یا نہ کرے۔ شہرت ملے نہ ملے۔ کیا ہوتا ہے کیا نہیں ہوتا۔ دولت پاس ہونا چاہیے۔ وہ ساری عمر اس میں کھپا رہتا ہے۔ اس طرح کوئی سمجھتا ہے اقتدار ہونا چاہیے۔ ساری عمر جدوجہد کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے۔ ملتا ہے یا نہیں ملتا یہ دوسری بات ہے لیکن اس نے متعین کر لیا ہوتا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ سارے نظریات سرے سے باطل ہیں۔ اللہ نے اس دنیا میں جو کچھ دیا ہے میں نے تمہیں سب نہیں دیا۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ زیادہ قیمت کی ہے یا کم قیمت کی۔ کوئی چیز جس پر شے کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کا وجود ہے اور جو تجھے دنیا میں مل سکتی ہے یا دی جا چکی ہے یا تمہارے پاس ہے۔ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا؛ وہ ساری چیزیں محض دنیا میں برتنے کی ہے، یہ دنیا کی زینت ہے۔ دولت ہے اسے دنیا میں برت سکتے ہو یا دنیا کی نمائش بنا سکتے ہو، اقتدار ہے تو دنیا کی حد تک ہے۔ اس کی نمائش دنیا میں ہی کر سکتے ہو، شہرت ہے تو دنیا کی حد تک ہے یعنی دنیا کی کوئی نعمت بھی تم پا لو جو دنیا میں موجود ہے۔

فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا؛ تو وہ دنیا کا رزق ہے دنیا کی متاع ہے جو دنیا میں برتا جا سکتا ہے۔ اس پہ فخر کر سکتا ہے یا اکٹھا جا سکتا ہے۔ لیکن نہ دنیا باقی ہے نہ دنیا کی دولت باقی ہے نہ دنیا کی زینت باقی ہے یہ ساری چیزیں دنیا کے ساتھ فنا ہونے والی ہیں اور اللہ کا خزانہ دنیا بنا کر ختم نہیں ہو گیا۔ یعنی صرف یہی نعمتیں نہیں ہیں۔ جو دنیا میں تمہارے گرد پھیلا دی گئی ہیں بلکہ

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۔ دنیا کے علاوہ جو نعمتیں رب کریم کے پاس ہیں، وہ دنیوی زندگی کے بعد نصیب ہو سکتی ہیں۔ وہ دنیا سے کروڑوں درجے بہتر بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی بھی ہیں۔ یعنی اس میں دو اوصاف ہیں۔ دنیا کی نعمتوں میں

دو نقائص ہیں۔ ایک تو کوئی نعمت آدمی پوری طرح استعمال ہی نہیں کر سکتا۔ ایک آدمی کے پاس اگر کروڑوں من غلہ ہے تو کیا وہ دو چپاتیوں سے زیادہ کھا جائے گا۔ کروڑپتی بھی دو ہی پھلکے کھا لیتا ہے۔ جس کے پاس زیادہ پیسہ ہے کیا وہ بیس جوڑے ایک دم پہن لے گا۔ غریب اور فقیر بھی اپنا تن ڈھانپ لیتا ہے۔ دوسری خامی یہ ہے کہ جب دم نکلتا ہے تو دنیا کی دولت ہو۔ شہرت ہو یا حکومت ہو۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔ دنیا کا سارا مال دنیا ہی کے لیے ہے۔ جب آپ دنیا ہی سے چل دیتے ہیں تو دنیا کی دولت، دنیا کی شہرت یا دنیا کی حکومت جو کچھ بھی کسی کے پاس ہو یہیں رہ جاتا ہے۔ لیکن جب دنیا سے آپ چلتے ہیں تو ایک دولت ایسی ہے جو تب نصیب ہوتی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں جو دولت وہاں نصیب ہوتی ہے ایک تو وہ اس سے کروڑوں درجے بہتر ہے۔ پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ دیگر چھینی نہیں جاتی۔ ہمیشہ ہمیشہ رہے گی جس کو جو چیز مل جائے گی آخرت میں وہ کبھی اس سے واپس نہیں لی جائے گی، اضافہ ہو سکتا ہے، کمی نہیں ہوگی۔ یہ تو ہو سکتا ہے مزید عطا فرما دیا جائے لیکن جو دے دیا جائے گا اس سے واپس نہیں لیا جائے گا۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: فرمایا، ہر شخص کو بڑے عقلمند ہونے کا دعویٰ ہے۔ یہاں آ کر تمہاری عقل کیوں رہ جاتی ہے۔

اب یہ آخری نعمت، اس کا حصول، قرآن کریم نے جو خصوصیات بتائی ہیں ان پر یقین حاصل کرنے کی سعی، اس سب کی بنیاد ہے۔ اللہ کی کتاب نے ہمیں بتایا ہے۔ اس پر ہم کسی حد تک یقین رکھتے ہیں۔ اسی یقین کا نام ایمان ہے، ایمان نام ہے ان باتوں کو سچ جاننے کا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ آپ نے اعلان نبوت فرمایا اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ آپ نے اللہ کی ذات، اس کی صفات کے بارے اطلاع دی۔ اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ آپ نے آخرت قبر، حشر نشر کے بارے اطلاع دی۔ اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ آپ نے جنت و دوزخ کی اطلاع دی۔ اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ فرشتوں اور ان کے وجود، غرض جو ضروریات دین ہیں، ان پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے برابر ہوگا۔

ہم کہہ دیتے ہیں ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مانتے ہیں۔ سب درست ہے لیکن قبر میں عذاب ثواب ہوگا، آخرت میں عذاب ثواب ہوگا۔ یہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یا عموماً کہہ دیا جاتا ہے کہ مر کر کون زندہ ہوا ہے۔ جس نے آ کر بتایا ہو، مریں گے دیکھا جائے گا۔ یہ جملہ کہنے سے ایمان رخصت ہو جائے گا۔ یقین ہی کا تو نام ایمان ہے جب یقین ہی نہ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہ، بلکہ یقین تو ایسا ہونا چاہیے کہ اگر کوئی مردہ مر کر زندہ ہو جائے دوبارہ دنیا میں آ جائے اور وہ بتانا چاہے تو بھی اتنی کھری بات نہیں بتا سکے گا۔ جتنی کھری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی۔ چونکہ جو مر کر زندہ ہوگا اس کی نگاہ اپنی ہے اپنی حیثیت سے دیکھے گا۔ اور نبی کا شان اپنا ہے۔ نبی کی نگاہ پاک اپنی ہے۔ اس نے اپنی نگاہ اپنی شان سے دیکھا ہے، پھر انبیاء کو من جانب اللہ علم عطا فرمایا جاتا ہے۔ غیر نبی جس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جب ہمارے پاس سب سے بڑی شہادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہے، تو اگر آپ کی بات کو ہم نہ مانیں تو دوسرا ہمیں کیا بتائے گا۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس پہ یقین نہ کرنا اس پر کسی ایک بات کا انکار کر دینا، یقین نہ کرنے کے برابر ہے۔ آپ کسی بھی شخص کو یہ تو نہیں کہتے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے جھوٹ کہتا ہے۔ اس لیے جھوٹا ہے۔ ہم جسے جھوٹا کہتے ہیں اس سے

اب تک نہیں پہنچا

اکثر حضرات کا سالانہ چندہ اگست میں ختم ہو چکا ہے۔ سالانہ چندہ بھیجنے میں دیر نہ کیجئے تاکہ "المرشد" کی باقاعدہ ترسیل آپ کے لیے بدستور قائم رہے۔ رقم اس پتے پر ارسال کیجئے اور اپنا خریداری نمبر لکھنا مت بھولیئے؛

ماہنامہ "المرشد" دار العرفان، منارہ
ضلع چکوال

امید نہیں ہے کہ وہ جو کہتا ہے جھوٹا ہوتا ہے بلکہ اس لیے کہتے ہیں کہ کبھی کوئی بات جھوٹی بھی کہہ دیتا ہے۔ ایک آدمی سارا دن سچ بولتا ہے کوئی ایک کلمہ جھوٹ بھی کہہ دیتا ہے پرواہ نہیں کرتا تو اسے ہم جھوٹا کہتے ہیں۔

تو جب نبی کریم کے ارشادات عالیہ میں سے کسی ایک جملے کو بھی جھٹلا دیا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے معاذ اللہ، استغفر اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہہ دیا۔ جب یہ بات یہاں تک پہنچی تو ایمان کس بات کا۔ کیونکہ انبیاء کی ایک حیثیت ہوتی ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔ اور اگر نبی کے کلام میں جھوٹ کا شائبہ پایا جائے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ آپ اگر کہہ دیں کہ کبھی کسی لمحے نبی معاذ اللہ غلط بیانی بھی کر سکتا ہے تو پھر یہ دلیل نہیں رہتی کہ انہوں نے کون سا حکم صحیح دیا ہے اور کونسا حکم غلط۔ یہ تو کوئی دلیل ہی نہیں رہتی۔ جب آدمی سے اعتبار اٹھ گیا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے تو پھر کوئی معیار ہی نہیں رہا کہ کون سی بات سچی ہے کون سی جھوٹی۔ اس کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہم زبان سے کہہ دیں معاذ اللہ کہ جو کچھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سارا سچ نہیں ہے۔ اس لیے ہلکا درجہ یہ ہے کہ ہم یہ تو نہیں کہتے لیکن یہ تو ضرور کہہ دیتے ہیں کون مر کر زندہ ہوا ہے۔ کس نے دیکھا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوگا۔

"اس پتہ نہیں" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ کے قرآن نے بتایا ہے۔ اس پر ہمیں یقین نہیں ہے۔ اگر یقین ہوتا تو ہم کہتے یقیناً وہی ہوگا جو حضور نے فرمایا ہے۔ ایک درجہ تو اس کا یہ ہے۔

ایک درجہ اور ہے جسے ہم کم نوٹ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم زبان سے تو یہ کہتے ہیں جو حضور نے فرمایا وہ سچ ہے لیکن عمل اس کے خلاف کرتے ہیں۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے یہ چیز حرام قرار دے دی اور آپ نے سچ فرمایا ہے لیکن ہم وہ لے کر کھا جاتے ہیں۔ تو ہمارا یہ عمل عملی طور پر ارشادات نبوی کی تکذیب کر رہا ہے۔ ہم کسی حجاب، کسی شرم، کسی مجبوری، کسی خاندانی مجبوری کی وجہ سے مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہو گئے۔ ہماری بیوی مسلمان ہے۔ بچے مسلمان ہیں، بہن بھائی مسلمان ہیں ہم کیسے انکار کر دیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ ہم کیسے کہہ دیں کہ حضور نے غلط کہا ہے۔ ہم نہیں کہتے، لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو حرام لے کر کھا جاتے ہیں۔ ہمارا عمل تکذیب کر رہا ہے۔ ہماری بات کی اور ہمارے عقیدے کی بھی۔ فرائض کا وقت آتا ہے ہم فرائض ادا نہیں کرتے۔ بغیر عذر شرعی کے ہم نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے لیکر دنیا سے رخصت ہوتے تک کوئی نماز نہیں چھوڑی۔ اور سب کو حکم دیا ہے کہ کوئی بھی جب تک اس کا دماغ قائم ہے۔ ہوش رہے تو اور بات ہے۔ جب تک ہوش قائم ہے۔　　وہ نماز نہ چھوڑے۔ وضو نہیں کر سکتا۔ تیمم کرلے۔ کھڑا نہیں ہو سکتا، بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ نہیں سکتا، لیٹ کر پڑھ لے۔ سر نہیں ہلا سکتا، ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔ فالج ہو گیا ہے۔ تو فرمایا۔ آنکھ کے اشارے سے رکوع و سجود کرے۔ چھوڑے نہیں۔

ہم ٹھیک ٹھاک بھی ہیں، ہٹے کٹے بھی ہیں، صحت مند بھی ہیں۔ ہم ادا نہیں کرتے تو ہمارا یہ ادا نہ کرنا قرآن کی نگاہ میں نبی کی بات پر یقین میں کمزوری ہے۔

اس بات کو اگر ہم اپنی عملی زندگی میں دیکھیں تو جہاں ہم کماتے ہیں، خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے ساتھ ہماری دوستی ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ ہماری دشمنی ہے۔ کیا ان سارے امور میں ہم نے مد نظر رکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اسمیں کیا ہے۔ اور اگر ہم پرواہ نہیں کرتے تو کیوں نہیں کرتے اصل بات یہ ہے کہ ہم اگر حضورؐ کے احکام کی یا دین کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تو کیوں نہیں کرتے۔

اللہ کریم فرماتا ہے کہ انہیں میرے وعدے پہ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے دنیا کھول کر رکھ دی ہے۔ دنیا کا وعدہ نہیں ہے۔ آٹا دانہ غلہ چاول، فروٹ، لباس، پیسہ، سونا، دولت جواہرات دنیا کی ہر چیز سامنے ہے۔ آخرت ساری جو ہے وہ اعتبار پر اور وعدے پہ کہ تم میرے نبی کی اطاعت کرو اس کے بدلے میں تجھے یہ انعام دوں گا۔ اب وہاں اس وعدے پہ اعتبار کی ضرورت ہے۔ تو فرمایا۔ تم ہی یہ فیصلہ کرو۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا: کہ جس سے میں وعدہ کروں اور بڑا خوبصورت وعدہ کروں۔ انعام کا وعدہ کروں، عطا کا وعدہ کروں۔ فَهُوَ لَاقِيْهِ اور اسے اس وعدے سے ملنا بھی ہوگا۔ اسے وہ وعدہ پیش بھی آئے گا۔ سامنے بھی آئیگا۔ وہ وعدہ اسے دیا بھی جائے گا۔

مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا: کیا ایسا آدمی جسے ہم نے دنیا کی دولت یا دنیا کی حکومت دے دی ہو اور اس وعدے پہ یقین نہ دیا ہو۔ یعنی ایک آدمی ہے اسے اس وعدے پر اعتبار ہے یقین ہے اعتبار ہے اتنا یقین ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس وعدے کی پاسداری کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے میں اپنی طرف سے ذمہ داری پوری کرتا ہوں اسے وہ انعام عطا کر دیتا ہوں۔ کیا وہ شخص جسے آخرت پہ اعتبار نہیں ہے۔ مختلف حیلوں حوالوں سے دنیا کی دولت یا دنیا کا اقتدار یا دنیا کا وقار جمع کرتا ہے لیکن۔

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ: میدان حشر میں وہ صرف جواب طلبی کے لیے بلایا جاتا ہے۔ دنیا کا عذاب اور سزا کے لیے اسے پیش ہونا پڑتا ہے۔ کیا یہ شخص بہتر ہے۔ یا وہ بہتر ہے جو اللہ کے وعدے پہ یقین کرتا ہے وہاں عزت و عظمت و سربلندی پاتا ہے۔

اس کا جواب رب کریم نے زبانی "ہاں" نہ "میں نہیں مانگا۔ اس کا جواب ہم اپنی عملی زندگی سے دیتے ہیں۔ ہم دن بھر میں کہاں تک پاسداری کرتے ہیں۔ اس عہد کی جو ہم نے قبول کر لیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کلمہ ادا کر کے۔ کلمہ طیبہ پڑھنا، دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اس سارے کو قبول کرتا ہوں۔ اس کا معنی کچھ بھی ہو۔ مفہوم وہی ہے کہ میرا خدا بھی وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے منوایا۔ اس کی صفات بھی وہی ہیں۔ جو حضورؐ نے منوائیں۔ آخرت اور دنیا کے بارے میں میرا یقین وہی ہے۔ جو حضورؐ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور جب ہم کام کرنے کے لیے جاتے ہیں تو مومن اور کافر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

آپ عمل کی بات کرتے ہیں ایک چھوٹی سی بات ہمارے یہاں وفود ہندوستان، برطانیہ، امریکہ، افریقہ، انگریز، یہودی ہندو، عیسائی یہاں آتے ہیں۔ اور جب ملتے ہیں، بیٹھتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پہ بھی آتا ہے۔ اخبار میں بھی آتا ہے جو شخص جانتا نہ ہو کیا وہ دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ شخص ہندو ہے یا مسلمان، عیسائی ہے یا یہودی ہے۔ اخبار میں پانچ دس آدمیوں کی تصویر آتی ہے۔ تو کیا ہم سے کوئی پہچان سکتا ہے کہ ان میں سے

فرمایا:۔ جس کی حیات روح پر موقوف ہو وہ روح نکلتے ہی مر جاتا ہے اور جس کی حیات کا دارومدار اللہ پر ہو وہ کبھی نہیں مرتا۔ بلکہ طبعی زندگی سے حقیقی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

(حضرت جنید بغدادیؒ)

کون مسلمان ہے یعنی ہم سے ظاہری حلیے ہی کی رکھوالی نہیں کی جا سکی۔

ہم کہتے ہیں سکھ بڑی بیوقوف قوم ہے۔ ان کے مختلف لطیفے بیان کرتے ہیں۔ انہیں مذاق کرتے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا جو لباس ہے وہ دنیا میں مشکل ترین لباس ہے۔ ایک مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے کہ اس کے بال عورتوں کی طرح لمبے ہوں۔ اس پہ اس نے سات گز تھان کپڑے کا بھی لپیٹ رکھا ہو۔ سارا دن سات گز تھان بھی اٹھائے رکھے۔ اور عورتوں جتنے لمبے بال بھی ہوں لیکن سکھ سکھ ہونے کے باوجود آج تک اسے سنبھالے ہوئے ہے۔ برطانیہ میں یہ قانون بنا کہ موٹر سائیکل پہ جو بیٹھے گا ہیلمٹ پہنے گا۔ اب سکھ کے لیے تو ہیلمٹ پہننا مصیبت ہے۔ اس کے سر پہ تو اتنے بالوں کا جوڑا بندھا ہوا ہے۔ انہوں نے عدالت میں چیلنج کر دیا ہمارا مذہب ہے ہم پگڑی باندھیں گے۔ ہیلمٹ نہیں پہنیں گے۔ بڑا مشہور مقدمہ تھا۔ کورٹ میں انہوں نے فائیٹ کیا۔ چھ مہینے سال مختلف وکیل دلائل دیتے رہے۔ آخر انگریز جج سے بھی انہوں نے منوا لیا کہ ساری دنیا ہیلمٹ پہنے گی بجائے سکھوں کے۔ سکھ اپنی پگڑی باندھیں گے۔

لیکن ہم ایسی گئی گزری قوم ہیں کہ ہم سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیے مبارک کی حفاظت نہ ہو سکی۔ ہمیں یہودیوں ہندوؤں، نصاریٰ کے چہرے پسند ہیں۔ اور ہم نے اپنے آپ

کو ان جیسا بنانا پسند کر لیا۔ ہمیں وہ شبیہ پسند نہ آئی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

آپ جانتے ہیں، علماء سے سنا ہوگا، پڑھا ہوگا۔ کہ جہنم میں جتنے لوگ جائیں گے کسی کا حلیہ انسانی نہیں ہوگا شکلیں مسخ کر دی جائیں گی۔ اور مختلف جانوروں اور مختلف بہائم کی شکلیں دی جائیں گی۔ اور وہ ویسے نہیں دی جائیں گی۔ دنیا میں جب آدمی حضور کا اتباع چھوڑتا ہے تو پھر اس کی عادتیں کسی نہ کسی جانور سے ملتی ہیں۔ سانپ کی طرح لوگوں کو ڈستا ہے۔ سور کی طرح بدکاری کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ بندر کی طرح لوگوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ درندوں کی طرح چیرتا پھاڑتا ہے۔ تو جس جانور سے جس کی عادتیں ملتی ہوں گی اس کی شکل میں وہ جہنم میں جائے گا یا برزخ میں۔ جسے عذاب ہوتا ہے۔ اس کی شکل انسانی نہیں رہتی۔

اس پر علمائے حدیث نے بڑی مزیدار بحثیں کی ہیں کہ آخر انسان کو ہی تو عذاب دیا جا سکتا ہے یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ خدا اسے بندر، خنزیر، یا ریچھ بنا کر ہی عذاب دے۔ انسان، انسان رہے۔ اس پر بھی عذاب آ سکتا ہے۔ تمام محققین فرماتے ہیں کہ یہ چہرہ اللہ نے اپنے مقرب بندوں کو دیا ہے۔ انبیاء کو دیا ہے۔ خصوصاً یہ چہرہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ غیرت باری کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ جو چہرہ اسکے حبیب کا ہے۔ اس کے بندوں کا ہے۔ اس کے مقربین کا ہے اسی چہرے کو وہ جہنم میں جلائے۔ اس لیے کسی دوزخی کو یہ چہرہ نصیب نہیں ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک واقعہ ہے وہ مشکوٰۃ کی شرح ہے ایک حدیث ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کہ جو جس قوم جیسا رہنا زندگی میں پسند کرے گا قیامت میں ان لوگوں کے ساتھ اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ تو اس کی شرح میں صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ فرعون کے دربار میں ایک درباری مسخرہ ہوا کرتا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام جیسا جنگل کا لباس بنا لیتا۔ (موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔ انہی بکریوں کے بالوں سے کپڑا بنا جاتا تھا۔ کھلا سا چغہ پہنتے تھے) اس نے بھی اس طرح کا چغہ بنا لیا، ایک دو شاخہ لکڑی پکڑ لی۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح داڑھی رکھ لی۔ ان جیسا حلیہ بنا کر، ان جیسی زبان میں (موسیٰ علیہ السلام ہکلاتے تھے) توتلی توتلی باتیں کر کے فرعون اور اس کے درباریوں کو ہنسایا کرتا تھا۔ کسی بھی نبی کی توہین کی جائے یہ بہت ہی بڑا، تمام گناہوں سے، بہت بڑا گناہ ہے۔ تو صاحب مرقاۃ لکھتا ہے کہ جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم دوسرے کنارے دیکھ رہے تھے۔

قرآن فرماتا ہے

وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ تم کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جب ہم نے فرعون کو اور اس کی آل کو غرق کیا۔ تو وہ مسخرہ بچ گیا پورا لشکر فرعون کے ساتھ غرق ہو گیا اور وہ کنارے پہ کھڑا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا اس سے دل کڑھتا تھا۔ انہوں نے دعا کی کہ خدایا یہ جو سب سے بدکار، سب سے ظالم ہے۔ سب سے زیادہ ایذا دیتا ہے مجھ کو۔ اسے آپ نے بچا لیا۔ تو وہ لکھتے ہیں اللہ کریم نے فرمایا کہ وہ موسیٰ سہی لیکن شکل تو تیری بنی ہوئی ہے۔ میں گوارہ نہیں کرتا کہ تیری نقل کو میں فرعون کے ساتھ غرق کر دوں۔ اسے میں علیحدہ عذاب میں گرفتار کروں گا۔ اسے میں تباہ کر دوں گا۔ یہ بچ نہیں سکے گا، میری گرفت سے۔ لیکن نقلی سہی۔ بنا ہوا تو موسیٰ ہے۔ نقلی موسیٰ کو فرعون کے ساتھ ڈبونا گوارہ نہیں کرتا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی مزیدار بات لکھی ہے آپ کسی قوم کا لباس اختیار کر لیں تو اس قوم کی آدھی برائیاں نظر میں ہلکی ہو جائیں گی۔ انہوں نے انسانی مزاج کی بات لکھی ہے کہ آپ کسی قوم کی طرح رہنا سہنا شروع کر دیں تو اسکے آدھے گناہ آپ کو گناہ ہی نظر نہیں آئیں گے۔ وہ آپ کو محض اس لباس اور حلیے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑیں گے۔

ہمارے اس اعلیٰ معاشرے اور اس اعلیٰ سوسائٹی کو دیکھیں انہوں نے جب یہودیوں اور عیسائیوں جیسی معاشرت اختیار کی۔ اپنی بیٹیوں کو نچاتے ہیں۔ ان کو ٹیلی ویژن پہ گانے گواتے ہیں۔ کلبوں میں آزادانہ جاتے ہیں۔ شہر میں آزادانہ اکیلی کار لیے پھر رہی ہوتی ہیں۔ یہ ساری باتیں اگر یہ خود انگریز نہ بنتے تو یہ کہتے یہ سب باتیں بری ہیں۔ یا جنہوں نے انگریز بننا پسند نہیں کیا۔ انہیں یہ سب کچھ برے ہی لگتی ہیں۔ مگر جو اس تہذیب میں رنگے گئے ہیں وہ کہتے ہیں نہیں۔ یہ عام سی بات ہے۔

اس پر خواہ مخواہ شور کرتے ہو۔ یہ صرف اس لباس نے ان کے دل میں ڈال دی۔ ان کی مجبوری ہے کہ اسے یہ قبول کریں تب ان کی انگریزیت رہ سکتی ہے۔

قرآن کریم کی نظر میں حلیے سے لے کر کردار تک جو کچھ ہم کرتے ہیں ہمارا حلیہ، ہمارا لباس، ہمارا کھانا، ہمارا کمانا اور عمل کرنا یہ سب اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتبار نہیں۔ اگر اعتبار ہے تو اسلام نے انسان کی کسی ضرورت پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ لباس پہننے پر، سونے پر، جاگنے پر، شادی کرنے پر، دولت کمانے پر، مکان بنانے پر کوئی پابندی نہیں، منع نہیں ہے۔ سارے کام کرو بات صرف یہ ہے کہ اس طرح کرو جس طرح کرنے کی حضورﷺ نے اجازت دی ہے۔ اس طرح کرنے سے دو فائدے ہوں گے دنیا میں بھی تم دنیا کے سارے کام کر سکو گے۔ اور آخرت کے وعدے جو ہیں وہ بھی تم پا لو گے۔

اگر حضور کے حکم کو چھوڑ دیا، خدا ہمیں معاف کرے ہم خطا کار ہیں۔ اللہ ہمارے گناہوں سے درگزر کرے اگر اس بات میں پکڑے گئے کہ تمہارا یہ چھوڑنا تمہارے یقین کی کمی کی دلیل ہے تو پھر بچنے کی کوئی جگہ نہیں، دنیا کی ساری دولت، ساری امارت، ساری حکومت مرنے والے کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں لوگو! یہ سوچو۔

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ .... وَزِیْنَتُھَا۔

دنیا کی نعمتیں مومن بھی کھاتا ہے کافر بھی کھاتا ہے، نیک بھی کھاتا ہے، بدکار بھی کھاتا ہے۔ اس کو بھی پہنچتیں ہیں جو خدا کے خدا ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی عطا اس پر ختم نہیں ہو گی، اس سے بہت زیادہ ہے۔ یہ ان کے لیے ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور فرمایا جو میرے پاس ہے جو دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب دنیا سے گزرو گے تو سامنے آئے گا۔ وہ دنیا سے کروڑوں گنا بہتر بھی ہے اور جسے آخرت کا کوئی انعام دیا جائے گا وہ اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ انعام میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ وہ چھینا نہیں جائے گا۔ فرمایا: یہ تم پہ ہے کہ میرے وعدے پہ اعتبار کرتے ہو یا نہیں۔

ہمارے عمل نے، میرے اور آپ کے عمل نے یہ شہادت دیتی ہے کہ ہمیں اللہ اور اللہ کے وعدے پر یقین ہے۔ اگر یقین ہے تو اطاعت کریں اور ہمارا اطاعت نہ کرنا اس بات کی دلیل بن جائے گا کہ ہمیں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے پہ یقین نہیں۔ ہم سرسری مانتے ہیں۔ انکار نہیں کرتے لیکن جسے یقین کہتے ہیں وہ نہیں۔ تو بات یقین کی ہے۔ جب تک رب کریم سے تعلق پیدا نہ ہو یقین پیدا نہیں ہوتا یہ بڑی کھری بات ہے بڑی سیدھی۔ کسی بھی ہستی کو جسے آپ جانتے ہیں آپ یقین کیسے پیدا کریں گے۔ اس لیے اسلام نے درمیان میں کوئی تیسری کڑی نہیں رکھی۔

آپ ہندو کے پاس آئیں، ہندو مذہب بتاتا ہے کہ عام آدمی برہمن تک آ جائے۔ برہمن جانے اور خدا جانے، عیسائی کہتا ہے کہ عام آدمی پادری تک پہنچ جائے پادری جانے اور خدا جانے۔ یہودی کہتا ہے کہ عام آدمی راہب تک پہنچ جائے، راہب جانے اور خدا جانے۔ اسلام نے ایسی کوئی کڑی نہیں رکھی۔ اسلام کہتا ہے جس کو کلمہ نصیب ہوا ہے وہ براہ راست رب کریم کی اطاعت کرے اور اس کی عبادت کرے۔ درمیان میں کسی کو کھڑا نہیں کرتا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے بارے یہ اقرار کرو کہ اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ اور میرے بارے بھی یہ یقین رکھو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، خدا نہیں ہوں۔ خدا کے اور تمہارے درمیان میں رکاوٹ نہیں ہوں۔ بلکہ کمال ہی حضور کا یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ اب ایک ادنیٰ غریب، کمزور وہ نماز پڑھنے آتا ہے۔ اللہ اکبر کہتا ہے۔ تو وہ اپنی بات اللہ سے کرتا ہے کوئی شہنشاہ آتا ہے۔ تو اللہ اکبر کہہ کر اپنی بات براہ راست اللہ سے کرتا ہے۔ یہ اسلام کا احسان ہے۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ خدا اور اس کے بندے کے درمیان کسی چیز کو نہیں رکھا۔ ہم یہ تعلق قائم کریں گے تو ہمیں اللہ سے حیا آئے گی۔ اللہ کی بات پہ اعتبار بھی ہو گا۔ اگر ہم خدانخواستہ یہ تعلق ہی قائم نہیں کریں گے۔

ایک روایت ملتی ہے کہ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی تو جب یہ پڑھی گئی ابلیس (اس وقت زمین پہ) لیٹا تھا کہ جس بندے نے یہ اقرار رب العالمین سے کر لیا کہ ساری صفتیں بھی اللہ تیرے لیے ہیں، تمام جہانوں کا رب بھی تو ہے، آخرت کا مالک بھی تو ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تجھ سے مدد بھی چاہتے ہیں۔ اور ہمیں اس راستے پہ رکھ جو تیرے نیک اور پاک بندوں کا

راستہ ہے اور ہمیں بدکاروں اور ظالموں کے راستے پر چلنے سے بچائے ہمیں اس طرف نہ جانے دے تو شیطان روتا تھا سر میں مٹی ڈالتا تھا، زمین پر لیٹتا تھا کہ اس بندے کا میں کیا بگاڑوں گا جو دن میں پانچ مرتبہ اور سترہ دفعہ ہر رکعت میں اللہ کریم سے یہ وعدہ کرے گا۔ لیکن پھر وہ شاید اس فیصلے پر پہنچ گیا ہو۔ (حدیث میں تو اتنا ہی ملتا ہے وہ لیٹتا تھا سر میں ریت ڈالتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ مجھ سے بچ گئے میں ان کا کیا بگاڑ لوں گا) لیکن شاید اسے بات سمجھ آ گئی کہ ان سے یہ پڑھنا ہی چھڑا دوں۔ یا جو پڑھتے ہیں ان کی زبان پر تو لفظ رہے اس کے مفہوم سے آشنا نہ ہوں۔ انہیں پتہ ہی نہ ہو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

ہم ساری زندگی کیا کچھ سیکھتے ہیں۔ زمیندار زمینداری کے بارے، موٹر ڈرائیور موٹر کے بارے، ٹرانسپورٹر ٹرانسپورٹ کے بارے، سیاست دان سیاست کے بارے، ماہر تعلیم تعلیم کے بارے، ڈاکٹر امراض کے بارے۔ یعنی ہر موضوع کے بارے مرتے تک زندگی بھر سیکھتے رہتے ہیں۔ اگر نہیں پوچھتے تو صرف یہ کہ ہمارا مذہب کیا ہے۔ ہم یہ جو اللہ سے قول و اقرار کرتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ بلکہ آپ کو اپنی آبادی کا اسی فیصد سے زیادہ حصہ مل جائے گا۔ جو کلمے کے معنی سے آشنا ہی نہیں۔ جنہیں کوئی بتاتا نہیں جنہیں کوئی پوچھتا نہیں اور جن کی کوئی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ آپ دو میل اس طرف دو میل اسطرف چلے جائیں تو کتنے آدمی آپ کو ملیں گے۔ جنہیں کلمے کا معنی آتا ہو۔ کتنے آپ کو مل جائیں گے جنہیں سورۃ فاتحہ کے معنی اور مفہوم کا پتہ ہو۔ یہ ہے شیطان کی وہ چال کہ ان لوگوں کو اس بات سے دور ہی رکھا جائے۔ جب جانیں گے ہی نہیں۔ اعتبار کیا کریں گے۔ شرما شرمی مسلمان رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ جب آدمی مر جاتا ہے ہم وہاں جمع ہوتے ہیں تو ملاں کے ذمہ ہے کہ وہ ہمیں بتائے کہ نماز جنازہ کی نیت کسطرح سے کرنی ہے۔ پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ جنازہ سامنے رکھا ہے۔ مسلمان باوضو ہو کے سامنے کھڑے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں کرنا کیا ہے۔ کیسے نیت کرنی ہے ارادہ کیسے کرنا ہے اگر نیت ہی نہیں پتہ تو کیوں دھوکا کرتے ہو اور اکثر ہم ننانوے فی صد زندوں کا جنازہ پڑھتے ہیں مردوں کا نہیں پڑھتے جو باقی رہ جاتے ہیں ان کا پڑھتے ہیں۔ کوئی بڑا آدمی مر جائے سارا علاقہ آ جاتا ہے غریب مر جائے گاؤں سے لوگ نہیں نکلتے

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے بغیر ولایت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے بے نیاز ہو کر ولایت کا دعویٰ کرے تو وہ یقیناً جھوٹا ہے اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رح)

میت تو غریب مسلمان کی بھی میت ہے اور میت امیر کی بھی مسلمان کی میت ہے۔ اگر اللہ کے لیے میت کے لیے دعا کرتی ہے تو غریب کی میت پر بھی اسی طرح بھیڑ ہونی چاہیے۔ جس طرح امیر کی میت پر ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو پیچھے زندہ رہ گئے ہیں ان کو دکھانے کے لیے مردے پہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس لیے نہیں پڑھتے کہ مردہ مسلمان تھا اس سے خطا ہوتی ہو گی گناہ ہوئے ہوں گے۔ مل کر جائیں اللہ کریم سے درخواست کریں کہ خدایا یہ تیرا بندہ ہمارا بھائی تھا، بیٹا تھا اس کی غلطیاں معاف کر دے۔ یہ بے چارہ جان دے کر کفن میں لپٹا تیرے دروازے پہ رکھا ہے ہم بھی اس کے سفارشی آئے ہیں کوئی نہیں خیال ہی نہیں ہوتا۔

یہ ساری ہیرا پھیری چھوڑ کر میں بھی آپ بھی، اللہ سے توبہ کریں خلوص کے ساتھ اور جہاں ہم بے شمار ماہیئے، اشعار گانے کہانیاں سیکھتے ہیں وہاں کم از کم نماز کا ترجمہ سیکھیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم اپنے اللہ سے کیا وعدہ کرتے ہیں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے کیا نقوش پا مبارک چھوڑے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں کیا کرنا چاہیے دنیا کے سارے فنون سیکھو اچھی بات ہے۔ لیکن مسلمان رہ کر اگر مسلمان ہاتھ سے گیا تو پھر سب کچھ سیکھا تو کیا سیکھا۔ کچھ بھی نہ سیکھا۔

اسلام دو عالم کی فلاح ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے دنیا کا ایک لمحاتی اور وقتی رنگ ہے یہ ختم ہو جائے گا۔

اللہ کریم ہم سب کو بھی اور حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو کو بھی حسن توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تزکیہ نفس اور ذکر الٰہی

حافظ عبدالرزاق

یہ کائنات بسیط اپنے خالق کے صفت تخلیق کا مظہر ہے گویہ ساری مخلوق بیشمار انواع پر مشتمل ہے۔ مگر ہر نوع کا اپنا مقام اور اپنی انفرادیت ہے اور اس سب کے باوجود خالق کائنات کی تخلیق کا شاہکار بنی نوع انسان کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت اور شرف بخشا) اور وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (اور اپنی بہت سی مخلوقات پر حد درجے کی فضیلت دی) اسی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا گیا ہے یہ شرف اور یہ عظمت انسان کو تخلیقی اعتبار سے من حیث النوع حاصل ہے لیکن نتیجہ اور انجام کو دیکھا جائے تو اس تخلیقی وحدت کے باوجود اس کی دو قسمیں سامنے آتی ہیں جس کا بیان ان الفاظ میں ملتا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (اور ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں)

اس شرف اور اتنی تکریم کے بعد اسفل سافلین میں پہنچنا آخر کیوں؟ آیئے اس کے سبب کا کھوج لگائیں۔ سب سے پہلے اس بیان پر غور کرنے کی ضرورت ہے جو قرآن کریم نے سورہ الشمس میں ایک قسم کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کریم نے نفس انسانی کو بنایا پھر نفس انسانی کی تخلیق میں اللہ کریم نے گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دے دی کہ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا۔ وہ اپنے مقصد و اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کرلے یا اطاعت کی جب وہ اپنے مقصد و اختیار سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کے مطابق انجام سامنے آتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی راہ اس تخلیقی تکریم کو برقرار رکھنے اور معراج تک پہنچانے کی راہ ہے اور نافرمانی یا فسق و فجور کی راہ پر چلتے رہنے سے آخر اسفل سافلین میں پہنچنا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تخلیقی طور پر وحدت انسانی کے باوجود عمل اور انجام کے اعتبار سے نوع انسانی دو گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے ان ہی دو پارٹیوں کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نام حزب اللہ اور حزب الشیطان ہے۔ کہیں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال ہے، کہیں مفلحون اور خاسرون ہے کہیں بامراد اور نامراد ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقسیم تخلیق کے اعتبار سے نہیں بلکہ انسان کے مقصد و اختیار اور آزاد مرضی سے اپنی پسند کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نفس انسانی کی فطرت کیا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت یوسفؑ کے قول کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۔ یعنی میں اپنے نفس کو بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ ہر ایک کا نفس بری بات بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

یہاں نفس کی فطرت کے طور پر اس کی ایک ہی قسم بتائی گئی ہے یعنی برائی کا حکم دینے والا استثنا پر رکھ دی کہ جب اللہ کریم رحم فرماتے تو اس عارض قوی کی وجہ سے نفس برائی کا حکم نہیں کرتا۔ یعنی نفس کی اس فطرت میں ایک وقت کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مغلوب حالت کو غالب حالت سے مستثنیٰ کیا کرتے ہیں۔ پس نفس کی غالب حالت امر بالسوء یعنی برائی کا حکم دینا ہے اس لیے جب نفس کو کام میں نہ لگایا جائے گا تو یہ اپنے لیے کوئی کام خود تجویز کرے گا اور جب اس کی فطرت امر

بالسوء ہے تو ظاہر ہے کہ وہ لازماً کوئی ایسا کام یا مشغلہ تجویز کرے گا جس میں شر ہی شر ہو یا شر کا پہلو غالب ہو۔ تو گویا نفس کا تحفظ ضروری ٹھہرا۔ پھر اس تحفظ کی دو حالتیں ہیں ایک مضر عمل کو ترک کیے رکھنا دوسرا مفید عمل میں مشغول رکھنا قرآن و سنت کی تعلیم کا حاصل یہی ہے تحفظ نفس کے لیے یہ دونوں تدبیریں اختیار کی جائیں۔ ان کا اختیار کرنا ہی تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔

سورۃ الشمس میں اللہ کریم نے عظیم چیزوں کی قسم کھائی ہے اور جواب قسم میں صرف دو جملے بیان فرمائے ہیں۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ یعنی بامراد وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا معلوم ہوا کہ تزکیہ نفس ہی وہ فیصلہ کن عمل ہے جس کے ہونے اور نہ ہونے سے ہی انسان بامراد یا نامراد قرار پاتا ہے اور یہ لیبل انسانوں کے لگائے ہوئے نہیں بلکہ عند اللہ اور انسان کا مقام ان دونوں میں سے ایک متعین ہوتا ہے۔

نفس کی فطرت کے پیش نظر تزکیہ نفس کی راہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ نفس کو ہر وقت کسی مفید کام میں مشغول رکھا جائے ورنہ جونہی وہ خالی ہوگا اپنے لیے کوئی شغل خود تجویز کرے گا اور لازماً کوئی ایسا شغل تجویز کرے گا جس میں شر کا پہلو ہو۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کونسا ایسا شغل ہے جس میں نفس کو ہر وقت لگایا جا سکے۔ انسان کے جتنے کام ہیں ان میں اچھے مشاغل کے سلسلے میں یا تو مباح دنیوی مشاغل ہیں یا عبادات ہیں مگر ان میں جو کام بھی ہے وہ خاص وقت کے لیے جب وہ ہو لیا تو وہ شغل موقوف ہو گیا۔

اسلام نے ایک ایسا شغل تجویز کیا ہے جو ہمہ وقتی بھی ہے اور اس کے لیے کسی دوسرے شغل کو موقوف بھی نہیں کرنا پڑتا۔ قرآن کریم نے اس شغل کی نشاندہی کرتے ہوئے جب اسے جاری رکھنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ایک صفت کثیر۔ کا اضافہ کر دیا ارشاد ربانی ہے۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ ذکر کے بغیر کسی کام کسی شغل، کسی عبادت کے لیے کثیر کی صفت اللہ کریم نے استعمال نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا یہ وہ شغل ہے جس میں نفس کو ہر وقت مشغول رکھا جا سکتا ہے تاکہ اسے کھل کھیلنے کی فرصت ہی نہ ملے

ذکر الٰہی کی اس افادیت کا نقشہ اس وقت سامنے آتا ہے جب انسان قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرے۔ اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے دس مختلف عنوانات کے ساتھ ۶۵ مقامات پر ذکر الٰہی کا بیان فرمایا ہے گویا ذکر الٰہی بیمار نفس کی دوا ہے اور صحت مند نفس کی غذا ہے۔۔ سچ کہا کسی نے ہے

إِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ ۝ فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

"یعنی جب ہم بیمار پڑتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں اور جب کسی وقت تیری یاد سے غافل ہو جائیں تو مرنے لگتے ہیں"

اس تفصیل کا ما حصل یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے لیے نفس کو ہر وقت کسی مفید شغل میں لگائے رکھنا ضروری ہے اور ایسا مفید اور ہمہ وقتی شغل صرف ذکر الٰہی ہے۔ یہ تو ہوا منطقی صغریٰ کبریٰ اور نتیجہ، واقعات کی دنیا میں دیکھا جائے تو اس کی صداقت اظہر من الشمس معلوم ہوتی ہے۔

تزکیہ نفس کی تاریخ میں چار ایسے ادارے واضح طور پر سامنے آتے ہیں جنہیں اس میدان میں تخصص کا مقام حاصل ہے میری مراد نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سلسلے ہیں۔ ان سب میں تزکیہ نفس کے لیے ایک نسخہ استعمال کیا جاتا ہے۔

یکے دو است بدار الشفائے میکدہ ہا
اگر نہ درد بنالد کسے شراب دہند

اب رہا یہ سوال کہ ہر وقت ذکر کیسے ہو اگر ذکر کی حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاد یا ذکر در اصل فعل ہی قلب کا ہے۔ زبان تو مبتدی کے لیے ایک ذریعے کے طور پر استعمال ہوتی ہے تاکہ قلب ذاکر ہو جائے تو معلوم ہوا کہ ذکر دو صورتیں ہوئیں۔ ذکر لسانی اور ذکر قلبی اور جب محل ذکر میں تعمیم لی جائے یعنی قلب سے ہو یا زبان سے تو اس تعمیم کے بعد دوام ذکر ممکن ہو گیا

سوال یہ ہے کہ قلب کے ذکر کا شریعت میں کوئی ثبوت موجود ہے کیا؟ اس کا جواب، قرآن حکیم نے جس انداز میں دیا ہے۔ روح وجد میں آنے لگتی ہے۔ ارشاد ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا یعنی اس کی

بات پر کان مت دھرو جس کے کرتوتوں کی وجہ سے ہم نے اس کے قلب کو اپنے یاد سے غافل بنا دیا!!

معلوم ہوا کہ ذکر قلبی اتنا اہم شغل ہے کہ اس سے غفلت کی وجہ سے انسان شرف انسانیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔

اور صدیقہؓ کائنات اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اکرمؐ کے معمول کے متعلق فرماتی ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ یعنی حضور اکرمؐ اپنی زندگی کے ہر لمحے اللہ کا ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ احیانہ کے ساتھ لفظ کُل نے جو معنی پیدا کر پیدا کر دیے وہ صرف اہل اللہ ہی جانتے ہیں مگر اس مادی اور گوشت پوست کی دنیا میں دیکھا جائے تو "ہر حالت" میں کھانے پینے، بول وبراز اور نیند کے اوقات بھی شامل ہیں اور قضائے حاجت کے وقت ذکر لسانی کی اجازت نہیں، نیند کی حالت میں ذکر لسانی ممکن نہیں۔ پھر حضور اکرمؐ ہر لمحہ کیونکر ذکر الٰہی کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ذکر قلبی ہے جو ہر لمحے اور ہر حالت میں ممکن ہے۔ حضرت تھانویؒ کیا خوب فرماتے ہیں۔

"میں تو یہ کہوں گا کہ ذکر کے اصلی معنی ذکر قلبی ہی کے ہیں۔ جہاں کہیں ذکر لسانی مراد ہے وہاں قرائن سے اس پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ ذکر کے معنی ہیں یاد۔ اب دیکھ لیجئے یاد کس کا فعل ہے؟ زبان کا یا قلب کا؟ بس اب ذکر قلبی کے لیے تو ثبوت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ البتہ ذکر کا لسانی ہونا محتاج دلیل ہوگا"

(العلاج والاصلاح)

اقسام ذکر:۔ ذکر کی بڑی اقسام دو ہوئیں ایک ذکر لسانی دوسرا قلبی پھر ذکر قلبی کی دو قسمیں ہوئیں ایک ذکر قلبی لفظی دوسرا قلبی نفسی۔ ان میں ذکر لسانی بعض اوقات نقائص میں موقوف ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے مگر ذکر قلبی کی کسی حال میں بھی ممانعت نہیں یہ بیشک محیط کل ہے۔

بعض اوقات یہ ذکر لسانی سے بڑھا ہوا ہے۔ مثلاً جہاں ریاء کا شائبہ ہو۔

ہاں ذکر قلبی کی فضیلت سے وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جہاں احکام وظیفہ مثلاً نماز وغیرہ اور احکام ذمیہ مثلاً نکاح طلاق وغیرہ کا تعلق ہے کیونکہ یہ امور ذکر قلب سے صحیح نہیں ہو سکتے۔

اقسام ذکر کے اعتبار سے ذکر کے تین درجے ہوئے۔

۱۔ وہ جس میں صرف زبان کو حرکت دی جائے اور قلب متوجہ نہ ہو یہ درجہ سب سے کم ہے اور اس کا تزکیہ نفس میں دخل نہیں۔

۲۔ وہ جس میں زبان کو حرکت نہ دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے یہ پہلے درجہ سے بڑھ کر ہے۔

۳۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب کو بھی متوجہ کیا جائے یہ سب سے بڑھ کر اور افضل ہے اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"لیکن میں یہ پھر کہتا ہوں کہ بعض حالتوں میں دوسرا درجہ تیسرے درجہ سے بھی افضل ہوجاتا ہے یعنی کسی وقت وہ ذکر جو محض قلب سے ہو افضل ہوتا ہے اس ذکر سے جو قلب اور زبان دونوں سے ہو" (العلاج والاصلاح)

ذکر کے طریقے:۔ روزمرہ کی عملی زندگی میں ہر جگہ اور ہر شعبے میں ایک اصول کارفرما نظر آتا ہے کہ فن کی بات ماہر فن سے پوچھو۔ جو وہ بتائے اس پر اعتماد کرو اور بلا چوں وچرا اس پر عمل کرو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر آدمی ہر فن کا ماہر نہیں ہوتا۔ یہ اعزاز صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے اس فن کی علمی تحقیق اور عملی تجربہ میں عمر کھپائی ہو۔ یہ ایک ایسی قطعی اور واضح حقیقت ہے جس سے صرف وہی شخص اختلاف کر سکتا ہے جو مخبوط الحواس ہو۔ مثال کے طور پر طب ایک فن ہے ہر بیمار کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے علاج کے لیے کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جائے پھر جب طبیب یا ڈاکٹر کوئی دوائی بتاتا ہے تو ساتھ ہی اس دوائی کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے۔ کیا آپ نے کوئی ایسا مریض دیکھا جس نے ڈاکٹر سے یہ کہا ہو کہ میں یہ دوائی اس طریقے سے کیوں استعمال کروں کبھی نہیں۔ اگر کوئی احمق یہ حرکت کر بیٹھے تو یہی جواب ملے گا کہ جاؤ تم اپنا علاج خود کرو میرے پاس کیوں آئے ہو۔

ہماری بدنصیبی کہیئے یا حماقت یہ ہے کہ جہاں دین کا کوئی مسئلہ سامنے آیا ہر لال بجھکڑ اپنی رائے دے گا۔ رائے ہی نہیں بلکہ فتویٰ دے گا اور جائز یا ناجائز قرار دیتے ہوئے اس وثوق سے بات کرے گا جیسے اس نے دین کا علم حاصل کرنے میں عمر کھپائی ہو۔ خواہ وہ الف کا نام بھی نہ جانتا ہے

دوسری ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے احمق کی بات سن کے کئی لوگ بھی اسکے ہمنوا ہو جاتے ہے۔

تزکیہ نفس، علم نہیں بلکہ فن ہے یعنی اس کا تعلق صرف جاننے سے نہیں بلکہ جاننے اور کرنے سے ہے اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ایک جید عالم اس فن کا بھی ماہر ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ دین کے ہر شعبے میں اس کے پاس بے شمار معلومات ہوں لیکن تزکیہ نفس کے ضمن میں اس کی حیثیت ایک مبتدی طالبعلم کی بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ عین ممکن ہی نہیں حقیقت نفس الامری ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ماضی قریب پہ نگاہ کیجئے دارالعلوم دیوبند دینی علم کے اعتبار سے پوری اسلامی دنیا میں ایک امتیازی اور مسلم حیثیت رکھتا ہے۔ اس دارالعلوم کے فارغ التحصیل دین کے شعبے میں کام کرنے لگے اس شعبے میں اتھارٹی قرار دیئے گئے چنانچہ کوئی مفسر بنا تو بے مثال محدث بنا تو لاجواب، فقیہ بنا تو بے نظیر لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے جو بھی اور جو کچھ بھی سب کچھ بننے کے باوجود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت محسوس کی آخر کیوں؟ وہ اس لیے کہ علم کا تعلق ذہن اور دماغ سے ہے اور عملی زندگی کا تعلق دل سے ہے اس لیے اکابر دیوبند نے ذہنی اور دماغی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی کہ دل کی دنیا کی بھی خبر لینا ضروری ہے اور انھوں نے تجربہ سے دیکھ لیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ اس فن تزکیہ کے ماہر ہیں غالباً حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت آپ تو جید عالم ہیں اور حضرت حاجی صاحب تو عالم نہیں آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں حضرت حاجی صاحب عالم تو نہیں مگر وہ عالم گر، ہیں سمجھے آپ؟ یعنی حقیقی عالم وہ نہیں جس نے بہت سی کتابیں پڑھ لی ہوں بلکہ ؎

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

جب بہت ساری کتابیں پڑھ لینے کے بعد آدمی حقیقت شناس نہ بن سکا تو عالم نہیں بلکہ جاہل مطلق ہے یا جہل مرکب کی ڈگری حاصل کر چکا ہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے جو بات کہہ دی عمل کی دنیا میں اس کے نمونے ہمیں تو اکثر نظر آتے ہیں جب ایسے بزعمِ غلط "عالم"، جو تزکیہ نفس کے فن کی ابجد سے بھی

> صنعت الہٰی سے عبرت حاصل نہ کرنے والی آنکھ کا اندھا ہی ہونا بہتر ہے اور جو زبان اللہ کے ذکر سے عاری ہو اس کا گونگا ہونا بہتر ہے۔ اور جو کان حق کی بات سننے سے قاصر ہو اس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو جسم عبادت سے محروم ہو اس کا مردہ ہو جانا افضل ہے۔
>
> (حضرت جنید بغدادیؒ)

واقف نہیں ہوتے خود ساختہ مسند افتا پر بیٹھ کر فتویٰ دیتے ہیں کہ ذکر کرنا ناجائز نہیں بدعت ہے شریعت کے خلاف ہے وغیرہ۔ تو یہ فتوے سن کر ان کی حالت پر رحم آتا ہے کہ بیچارے کتابیں رٹتے رٹتے میں عمر ضائع کرتے رہے۔ کاش کسی حاجی امداد اللہ کے پاس چند روز گزار لیتے۔ مگر ان کے حق میں سوائے اس دعا کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور کیا کیا جا سکتا ہے، ہم تو یہی کہہ کے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں کہ ؎

آتا نہ ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق
ہم کو تیرے درد نے انساں بنا دیا

اس طویل تمہید کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت حاجی صاحبؒ کی زبانی ہی ذکر کے طریقے بیان کر دیں ممکن ہے کسی کے کام آجائے۔

حضرت حاجی صاحب کی ایک تصنیف کا نام ہے ضیاء القلوب اس کا اردو ترجمہ مکتبہ تھانوی دفتر دارالبقار کراچی کا طبع کردہ اس وقت میرے سامنے ہے اس میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہے۔

صفحہ ۲ پر حضرت فرماتے ہیں۔

ذکر کا بیان: ابتدائے کتاب سے اس وقت تک متعدد مرتبہ لفظ ذکر استعمال کیا جا چکا ہے لیکن اب تک یہ نہیں بتایا گیا کہ ذکر کیا ہے۔ ذکر۔ اصطلاح صوفیہ میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ کی یاد میں تمام غیر اللہ کو بھول جائے اور حضور قلب سے

اللہ کی نزدیکی اور معیت حاصل کرے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے انا مع عبدی انو (الحدیث) اور بحکم سجدہ بکرۃ واصیلاً پوری توجہ سے یاد الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جائے کہ اپنے نفس سے بالکل بے خبر ہو جائے اور الذین یذکرون اللہ انو کے زمرہ میں داخل ہو جائے اور ذکر اس کی زندگی ہو جائے.....“

ص۸ فرمایا مراتب ذکر کے بیان میں۔

ذکر کی چار قسمیں ہیں اول ناسوتی جیسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوم ملکوتی جیسے اِلَّا اللّٰہ تیسرے جبروتی جیسے اَللّٰہُ چوتھے لاہوتی جیسے ھُوْ ھُوْ۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ زبان کے ذکر کو ناسوتی، دل کے ذکر کو ملکوتی، روح کے ذکر سِر کو لاہوتی۔ اور ذکر زبان کو جسمی اور فکر کے ذکر کو نفسی اور مراقبہ کو ذکر دلی، اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور معائنہ کو ذکر سری کہتے ہیں۔“

اس کے بعد ص۱۰ کے اختتام تک ذکر کے چند طریقے بیان فرمائے ہیں۔

ص۱۲ پاس انفاس کا طریقہ

انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیئے اور بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا اور پاس انفاس اصطلاح صوفیہ میں اس کو کہتے ہیں کہ سانس لیتے اور سانس باہر کرتے وقت جہراً یا سراً ذکر کرے اور سانس لیتے وقت الا اللہ کہے لیکن ذکر سری میں صرف سانس سے ذکر کرے اور سانس لیتے وقت اور باہر کرتے وقت ناف کو دیکھے اور منہ کو بالکل بند رکھے اور زبان کو ادنیٰ حرکت بھی نہ دے اور اس قدر پابندی اور استقلال چاہیئے کہ سانس خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے“۔

دوسرا طریقہ: اس میں نفی اثبات کی جگہ اسم ذات کے ساتھ پاس انفاس کا طریقہ بیان ہوا ہے۔

ص۱۳ پر اسم ذات کے زبانی ذکر کا طریقہ، پھر اسم ذات مع الضرب کا طریقہ اور یک ضربی سے ہفت ضربی تک بیان فرمایا ہے۔

ص۱۶ پر ذکر اللہ کا دوسرا طریقہ۔ پہلے آنکھیں بند کرے اور زبان کو تالو سے ملا کر الٹی سانس میں پوری قوت سے لفظ اللہ کو ناف سے کھینچ کر داہنے شانے تک پہنچائے اور ہو کی ضرب دل پر اس طرح لگائے جس طرح بڑھئی لکڑی پر آرہ کھینچتا ہے اور برابر سانس کو زور سے جاری رکھے اور صفات سے انہماک کا تصور کرے اور خیال کرے کہ میں دل پر آرہ کھینچ رہا ہوں اور خیال کرے کہ جس طرح لکڑی کاٹتے وقت اس سے برادہ نکلتا ہے اسی طرح میرے قلب سے نور کے ذرات نکل رہے ہیں اور بدن میں پھیل رہے ہیں اور جسم سے نکل کر تمام عالم کو گھیر رہے اور تمام عالم کے وجود کو مستور کر رہے ہیں۔ اس ذکر میں اتنا مشغول ہونا چاہیئے کہ محویت کل اور مشاہدہ تمام حاصل ہو جائے اور ذاکر ہی اس ذکر کے لطف سے خوب واقف ہے۔ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا“

اس کے بعد ص۲۰ کے اخیر تک جیسں نفی اثبات۔ شغل سعدیایہ دورہ چشتیہ شغل سلطاناً نصیراً۔ شغل سلطان الاذکار شغل سرمدی وغیرہ کا بیان ہے۔

پھر ص۲۱ کے شروع تک مراقبات کا بیان ہے پھر ص۳۶ کے شروع تک اذکار و اشغال و مراقبات قادریہ کا تفصیلی بیان ہے۔

ص۳۶ سے ”تیسرا باب حضرات نقشبندیہ رحم اللہ کے اذکار و اشغال کے بیان میں“ شروع ہوتا ہے۔ ص۳۸ لطائف ستہ کے شغل کا بیان ہوتا ہے اس میں ”ذکر جاروب کا طریقہ“ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ان لطائف میں ان (نقشبندیہ) کا طریقہ یہ ہے کہ اسم ذات کے تصور کے ساتھ سانس کی پوری قوت کے ساتھ جس لطیفہ جاروب مقصود ہو اس سے کھینچ کر پھر ھُو کی ضرب اسی لطیفہ پر لگائے مثلاً اگر لطیفہ قلبی کی جاروب کرنا ہے تو اسم ذات کے تصور کے ساتھ سانس کو قلب سے کھینچ کر موضع روح تک لا کر ھُو کی ضرب قلب پر لگائے یہی ہر لطیفہ کی جاروب میں ہونا چاہیئے اور ذکر امرہ کا طریقہ ان لطائف میں یہ ہے کہ اسم ذات کے تصور کے ساتھ سانس کو جو لطیفہ مقصود ہے اس سے الٹا کھینچ کر اسی لطیفہ پر ھُو کی ضرب لگائے چنانچہ جاروب لطیفہ قلب کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے“

اسی طرح حضرت حاجی صاحب رح کی دوسری تصنیف

"ارشاد مرشد" میں صفحہ پر"

طریق ذکر پاس انفاس کا: یعنی اپنے انفاس پر آگاہ اور ہوشیار رہے کہ بے ذکر اللہ کے کوئی دم نہ گزرے خواہ ذکر جلی ہو خواہ خفی ......

طریق دوسرا یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور ہو کے ساتھ سانس چھوڑ دے اس ذکر کے خیال اور دھیان سے ایسی کثرت اور مشق کرے کہ دم ذاکر اور مستغرق بذکر ہو جائے"۔

جس شخص کو تزکیہ نفس کرنا یعنی انسان بننا مطلوب ہو اور وہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مہارت فن پر یقین بھی رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ کسی پابند شریعت صحیح العقیدہ شیخ سے یہ فن سیکھنے سے پہلے حضرت حاجی صاحب کی ان دو کتابوں کا مطالعہ کرے یعنی ضیاء القلوب اور ارشاد مرشد

اللہ کریم نے اپنی آخری کتاب میں جہاں دس مختلف عنوانات کے تحت ۱۶۵ مقامات پر ذکر الہی کا تذکرہ فرمایا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اس راہ میں ایک راہزن بھی آتا ہے ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ

(شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے)

یعنی شیطان کا جادو تب ہی چل سکتا ہے جب آدمی ذکر الہی سے محروم ہو یا پہلے ذاکر تھا پھر کسی وجہ سے چھوڑ بیٹھا تو یقیناً یہ کوئی شیطانی چال ہوگی جو اسے صرف ترک ذکر پر ہی نہیں بلکہ اس کے بعد ترک صلوۃ اور اس کے بعد مزید گناہوں کی طرف گھسیٹنے کی کوشش کرے گا۔

لہذا ذکر الہی مومن کی بنیادی ضرورت ہے یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ از خود کوئی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کسی ماہر تعلیم کی ضرورت بہر حال ہوتی ہے جو یہاں بھی ہے۔

"گناہ کے بعد اگر بندہ توبہ ذکرے کہ میرے گناہ اس درجہ میں ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا تو یہ بھی حماقت اور شیطان کا ایک چال ہے۔ اور حقیقت میں یہ تکبر ہے۔ کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ وہ اب اس کو معاف نہیں کر سکتے۔ کیا اللہ میاں سے بھی مساوات کا دعویٰ ہے۔ یاد رکھو یہ برتاؤ تو بالکل برابر کا سا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے اعمال کی ہستی ہی کیا ہے۔ سارا عالم بھی نافرمان بن جائے تو ان کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہو سکتا نہ ان کو عفو و کرم سے کوئی امر مانع ہو سکتا ہے۔

مشہور ہے کہ ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجیے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں کہ تو کب اڑا اور کب بیٹھا تو جیسے وہ مچھر سمجھتا تھا کہ مجھ میں اتنا وزن ہے کہ بیل بھی دب گیا ہوگا۔ اسی طرح یہ شخص بھی اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ جس سے اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں سے متاثر ہو گئے ہوں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ پر کسی چیز کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا تو اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھنا کہ توبہ کافی نہ ہو در حقیقت تکبر ہے گو صورتاً شرمندگی ہے۔

(حضرت مولانا اشرف تھانویؒ)

شہید صدر ضیاء الحق

ماہ و سال کی روشنی میں

پیدائش۔	۱۲ اگست ۱۹۲۴ء	ریفرنڈم	۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء
فوج میں کمیشن ملا۔	مئی ۱۹۴۵ء	غیر جماعتی انتخابات کرائے۔	۲۷ فروری ۱۹۸۵ء
گریجویشن، سٹاف کالج کوئٹہ۔	۱۹۵۵ء	قومی اسمبلی ختم کر دی	۲۹ مئی ۱۹۸۸ء
یو ایس کمانڈ اینڈ سٹاف کالج امریکہ سے تربیتی کورس مکمل کیا۔	۱۹۶۳ء	نئے غیر جماعتی انتخابات کرانے کی تاریخ مقرر کی۔	۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء
بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی۔	۱۹۶۹ء	شہادت	۱۷ اگست ۱۹۸۸ء
میجر جنرل کے عہدے پر ترقی۔	۱۹۷۲ء	شہید صدر کا ۱۳۰-سی جہاز ۴۴:۳ بجے دن ستلج کے کنارے چپ کلیار کے قریب	
لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی	اپریل ۱۹۷۵ء	بہاولپور سے چار کوس دور بستی لال کمال کے کھیتوں میں گر کر تباہ ہو گیا۔ صدر محمد ضیاء الحق	
چیف آف آرمی سٹاف	یکم مارچ ۱۹۷۶ء	سمیت دیگر ۲۹ افراد میں سے کوئی زندہ نہ بچ سکا	
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر	۵ جولائی ۱۹۷۷ء	انا للہ وانا الیہ راجعون۔	
پاکستان کے چھٹے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔	۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء	تدفین	۲۰ اگست ۱۹۸۸ء

شہید صدر محمد ضیاء الحق کو فیصل مسجد اسلام آباد کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔

ٹی وی پہ جونہی نشر ہوئی موت کی خبر،
شہروں میں برپا حشر تھا ماتم نگر نگر،
گلیوں میں روتا پھرتا تھا ہر فرد ہر بشر
چہرے تھے آنسوؤں کی روانی سے تر بتر
تنہا نہیں تھا صدر رفقاء بھی ساتھ تھے
پہنچے خدا کے پاس تو ہاتھوں میں ہاتھ تھے

یہ موت کیا تھی؟ پیکرِ خدمت کی موت تھی
یہ موت کیا تھی؟ حسنِ مروت کی موت تھی
یہ موت کیا تھی؟ عجز و اخوت کی موت تھی
یہ موت! ایک صاحبِ عظمت کی موت تھی
اس موت سے فضائے وطن غم سے بھر گئی
یہ موت سارے ملک کو ویران کر گئی

سب اس خبر کو سن کے ہوئے ایسے دلفگار
آتا نہ تھا کسی کو بھی ٹی وی پہ اعتبار
ہر دل میں اضطراب تھا ہر آنکھ اشکبار
کہتے تھے موت حق ہے اور آئے گی ایکبار
لیکن یہ موت کتنے نشیمن جلا گئی
از شرق تا بہ غرب دلوں کو ہلا گئی

اس حادثے کی دہر کو جونہی خبر ہوئی،
ہر ایک مملکت میں تھی ماتم کی صف بچھی
ایسی مصیبتوں کی ہوا بزم میں چلی
جس کی ضیاء تھی چار سو وہ شمع بجھ گئی
ہمدرد اپنا سب تھے عرب مانتے اسے
ایسا کہاں سے لائیں کہ اس سا کہیں جسے

وہ منکسر مزاج کا مالک وہ بُردبار
ترویجِ نظریاتِ صداقت میں پُختہ کار
دُنیا کے اعلیٰ رہبروں میں جس کا تھا شمار
حاصل تھی ہر گھڑی جسے تائیدِ کردگار
جو مشکلوں میں ملتِ بیضا کی ڈھال تھا
اسلام کا سپاہی تھا وہ بے مثال تھا

کتنا خدا شناس تھا وہ کتنا حق پرست
کتنا فراخ دل تھا اور کتنا کشادہ دست
جس کی نگاہ میں تھے برابر بلند و پست
ہر غم نصیب جس کو سمجھتا تھا سرپرست
حق بین و حق پسند تھا مومن مزاج تھا
تقویٰ و زُہد کا وہ حسین امتزاج تھا

چہرے کی مسکراہٹیں جس کی صدا بہار
کرتا تھا بے کسوں پہ وہ اپنی خوشی نثار
جس چیز پر بھی رکھتا تھا وہ اپنا اختیار
وہ بانٹتا تھا ہر کس و ناکس میں بار بار
معذور کا معین تھا، محروم کا رفیق
مسکین و بے نوا کا تھا وہ ہر گھڑی شفیق

وہ ایک شخص جو کہ تھا ہر آنکھ کی ضیاء
مخلص تھا اور حبِّ وطن میں تھا بے ریاء
اُس کا خطاب ہوتا تھا ہر دل کا دلرُباء
اُس سادگی پسند کی سادہ تھی ہر ادا
وہ سرپرست سب کا سہارا چلا گیا
دل کا سکون آنکھ کا تارا چلا گیا

رہتا تھا بارگاہِ خدا میں وہ سجدہ ریز
ہر ایک کارِ خیر کو کرتا تھا تیز تیز
وہ خدمتِ عوام سے کرتا نہ تھا گریز
ہر دم تھا کفر و شرک سے آمادۂ ستیز
سینے میں اُس کے ملتِ بیضاء کا درد تھا
"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

ہمت کا وہ پہاڑ تھا اور عزم کی چٹان
جس کا اثاثہ دینِ مبیں کی تھی آن بان
اس کارگاہِ دہر میں اللہ سے اُس کی شان
ارضِ وطن کے واسطے قربان کر دی جان
تھا جس کے دل میں ولولہ اللہ کی دید کا
اللہ نے اُس کو دے دیا درجہ شہید کا

اب تک ہے یاد اُس کا یو۔این۔او میں وہ خطاب
عنواں تھا جس خطاب کا فرقانِ الکتاب
وہ اس لیے ہے عالمِ امکاں میں لاجواب
شامل تھا اُس میں بندۂ مومن کا اضطراب
وہ اک خطاب قوموں کو منزل دکھا گیا
اُس عالمی ادارہ کی عزت بڑھا گیا

رہتا تھا یادِ خالقِ اکبر میں وہ مگن،
تھا اُس کے دل میں جذبۂ شہادت کا موجزن
برسوں رہا محافظ آزادئ وطن
مسجد کے سائے میں ہوا آخر وہ خیمہ زن
اعزاز اُس کو بخشا یہ ربِ کریم نے
مولائے کائنات و غفور الرحیم نے

جرنیل تھا جری تھا وہ صاحب نبرد تھا
میدانِ کارزار کا بیباک مرد تھا
وہ عسکری فنون میں یکتا تھا فرد تھا
وہ بالیقیں چشیدۂ ہر گرم و سرد تھا
گھر کر جو مشکلات میں بھی مسکرا دیا،
اُس کو خدا نے وقت کا "ہیرو" بنا دیا،

عشقِ رسولؐ اُس کا تھا سرمایۂ حیات
روتا تھا سر کو سجدے میں رکھ کر تمام رات
پکا تھا اپنے قول کا سچی تھی اُس کی بات
عجز و فروتنی سے تھے فقط اُس کی کائنات
تھا صدرِ مملکت بھی، تہجد گزار بھی
وہ حکمراں تھا قوم کا اور غمگسار بھی

کس شان سے رواں ہوا وہ سوئے آخرت،
جاری زبانِ خلق پہ تھی اُس کی منقبت
کاندھوں پہ تھا عوام کے وہ صدرِ مملکت
سب مانگتے تھے جس کے لیے حق سے مغفرت
وہ مردِ حق شناس تھا ہر اک کی رائے میں
جو سو گیا ہے مسجدِ فیصل کے سائے میں

چاروں طرف ہجوم تھا مسجد کے بے پناہ
پہلے کسی جنازے کا دیکھا نہ تھا یہ جاہ
شامل تھے اس میں اور بھی ملکوں کے سربراہ
تھے کتنے تاجدار یہاں کتنے کج کلاہ
اتنا ہجوم دیکھ کے حیران تھا فلک
تھے آدمی ہی آدمی دیکھیں جہاں تلک

اس صدمۂ عظیم سے ہر شخص تھا نڈھال
آنسو رواں ہر آنکھ سے ہر چہرہ پُر ملال
سب کا تھا درد ایک ہی سب کا تھا ایک حال
کٹ جائے اجتماع سے کس کی تھی یہ مجال
یہ موت اختلاف کا ہر داغ دھو گئی
ملت کو بحرِ یاس و الم میں ڈبو گئی

اُٹھی ہے یہ دُعا دلِ راجہ شریف سے
حق ہم کو صبر و شکر کی دولت عطا کرے
قبرِ ضیاؔ کو اپنی عنایات سے بھرے
ہر دم فزوں ہوں اُس کے رفیقوں کے مرتبے
پھر کوئی پھول برسرِ صحنِ چمن کھلے
پھر ہم کو اُس کی ذات کا نعم البدل ملے

راجہ محمد شریف

حافظ عبدالرزاق

تصویر

کائنات میں رنگ

تاریخ کا یہ ایک دردناک المیہ ہے کہ انسان نے جب اور جہاں بھی اپنے خالق سے بے نیاز ہو کر محض اپنی عقل پر بھروسہ کر کے اپنے معاملات نمٹانے کی کوشش کی ٹھوکر ہی کھائی ہے مگر عورت کی حیثیت متعین کرنے میں ایسی جاہلانہ ٹھوکر کھائی ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی مثلاً اس وقت عیسائیت کو اپنے سیاسی اور تہذیبی غلبہ پر ناز ہے مگر عیسائیت کا فیصلہ یہ ہے کہ "عورت ایک ناگزیر برائی ایک پیدائشی وسوسہ ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے (کرائی سوسٹم) ایک اور عیسائیت کا امام ترتولیان کہتا ہے "وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی خدا کے قانون کو توڑنے والی اور مرد کو غارت کرنے والی ہے" یہودی کی نگاہ میں عورت موت سے زیادہ تلخ ہے (کتاب مقدس)

روسی تہذیب میں مثل ہے "دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے" اطالوی تہذیب کہتی ہے "عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے" اسپینی زبان میں مثل ہے "اچھی عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے"

پھر یہ آواز کہ وجودِ زن سے تصویرِ کائنات میں رنگ کہاں سے آ رہی ہے میں کھو گئی گئے

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

انسانیت کی تاریخ میں یہ نرالا سبق صرف اسلام نے دیا اسی کی صدا گونج رہی ہے جو ایک ترجمان اسلام کے دل میں اتری زبان پر آئی اور شعر بن کر دنیا میں پھیل گئی ہے

مگر کیا یہ ایک نرا اور کھوکھلا دعویٰ ہے؟ نہیں یہ ایک کائناتی حقیقت ہے اس پر دو پہلوؤں سے بحث کی جا سکتی اول اسلامی دوم تہذیبی اور سیاسی، جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے اسلام نے عورت کی مختلف حیثیتوں کے متعلق ہدایات ارشاد فرمائیں مثلاً

یعنی باعث تخلیق آدم صرف مرد نہیں بلکہ عورت اس کی برابر کی شریک ہے۔

تمہارے لباس کی حیثیت رکھتی ہیں اور تم ان کے لیے یہی حیثیت رکھتے ہو۔ لباس کی اہمیت ہر وہ شخص جانتا ہے جو کسی نیوڈ کلب کا ممبر نہ ہو مگر اس کے مقصد تین ہیں ستر پوشی یعنی بے حیائی سے بچانا۔ دوم موسم کی سردی گرمی کا مقابلہ کرنا سوم زیب و زینت تو گویا اسلام نے ایک لفظ لباس لا کر عورت کی یہ تینوں حیثیتیں ثابت کر دیں اور یہ تینوں اتنی اہم ہیں کہ کوئی کور باطن ہی ان کا انکار کر سکتا ہے۔

یعنی یہ اللہ کا ایک احسان ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس میں سے تمہارے جوڑے بنا دیے تاکہ تمہیں گھر میں سکون ملے اور تمہارے دلوں میں باہمی محبت کا جذبہ بھر دیا۔

ظاہر ہے کہ باہمی محبت اور قلبی سکون کا نام ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی ہے اگر یہ نہ ہو تو یوں سمجھئے کہ آدمی زندگی نہیں گزار رہا بلکہ دنیا کی سٹیج پر زندگی کی محض ایکٹنگ کر رہا ہے۔

۴۔ عورت کی تین حالتیں عمومی ہیں۔ بیٹی، ماں، بیوی اور تینوں کے متعلق اسلام نے خصوصی ہدایات دی ہیں مثلاً بیٹی کی صحیح تربیت کرنے والے کو حضور اکرمؐ نے قیامت میں اپنی معیت کی بشارت دی۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس نے اس قیمتی متاع کی قدر کی اللہ کے رسول نے خوشی کی سند دے دی۔ ماں کے متعلق فرمایا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ عورت کی قدردانی کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

بیوی کے متعلق فرمایا کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں بہترین یعنی ہر حیثیت میں عورت ایسی قیمتی متاع ہے کہ اس کی قدردانی پر ہی کسی مثالی معاشرے کے قیام کا مدار ہے۔

اب آئیے خالص دنیاداری کے جہان میں۔ سب سے پہلے یہ سوچیں کہ اگر کسی مملکت میں کسی حکومت میں وزیر داخلہ کا وجود ہی نہ ہو تو کیا داخلی امن سکون، ترقی وغیرہ کا کوئی تصور ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں تو ایک گھر جو سلطنت کی بنیادی اکائی ہے اگر اس میں وزیر داخلہ کا عہدہ موجود نہیں تو وہ گھر گھر نہیں بلکہ ایک غار ہے اور یہ ہے یا باڑہ ہے گھر تب بنے گا جب وہ مثالی معاشرے کی مثالی اکائی بنے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عورت وزیر داخلہ کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے اور اس کو یہ قلمدان سونپا جائے۔

علمائے اخلاق کا کہنا ہے کہ عورت کا مقصد حیات تین امور ہیں۔ ۱۔ تکثیر نوع ۲۔ بقائے نوع، ۳ تربیت نوع۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں امور ایسے ہیں کہ ایک سے ایک زیادہ اہم ہے۔ اگر عورت کا وجود نہ ہو یہ تینوں خانے خالی بلکہ خانہ خراب۔

ان حقائق کے پیش نظر کیسے شبہ ہو سکتا ہے کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔ ایک زندہ حقیقت انھیں تو بہ اس مصرعہ میں ایک کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ لفظ رنگ ہے کیونکہ کسی دانا کا کہنا ہے

رنگ اڑ گیا چمن کا تو کوئی کمی نہیں
جب بو چلی گئی تو وقار چمن گیا

اور یہ جو اس دنیا کو جہان رنگ و بو کہتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت ہی رنگ بھی ہے اور بو بھی۔ فرق اتنا ہے کہ اگر عورت واقعی عورت ہو اور اپنے فرائض منصبی سے واقف ہو اور ان کی ادائیگی میں کوشاں بھی اور اگر عورت کی بجائے صرف مرد مونث ہو تو محض DECORATION PIECE ہے تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے اس کا وجود عدم کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہے

جس دور میں کوئی صوفی ہوتا ہے اس زمانے کے لوگوں کے کردار اس کی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہ اثرات پھیلتے جاتے ہیں آپ کو زندگی پورے ماحول کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بسر کرنی چاہیئے۔ اپنے کردار میں، گفتار میں، سونے اور جاگنے، کھانے اور پینے، زندگی کے معمولات میں وہ انداز بیان کریں۔ جو آپ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انداز جو آپ میدان حشر میں رب العالمین یا بارگاہ نبوت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

ذکر الٰہی کی برکات

محمد منظور نعمانی

عن ابی ھریرۃ وابی سعید قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہٗ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کے کچھ بندگانِ خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اُن کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور اُن کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

"ذکر اللہ" اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار وغیرہ سب ہی شامل ہے اور یہ سب اُس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی۔ اور اُس کی صفات کمال کے بیان اور دھیان کو "ذکر اللہ" کہا جاتا ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے مدارج السالکین میں ذکر اللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کی برکات کے متعلق فرماتے ہیں ـــ تمام اعمالِ صالح کی روح اور جان ذکر اللہ ہے اور یہی ذکر اور دل و زبان سے اللہ کی یاد پروانہ ولایت ہے کہ جس کو عطا ہو گیا وہ واصل ہو گیا۔ اور جس کو عطا نہیں ہوا وہ دور اور مہجور رہا۔ یہ ذکر اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور ذریعہ حیات ہے اگر وہ اُن کو نہ ملے تو جسم ان کے قلوب کے لیے قبور بن جائیں۔ اور ذکر ہی سے دلوں کی دنیا کی آبادی ہے اور اگر دلوں کی دنیا اس سے خالی ہو جائے تو بالکل ویرانہ ہو کر رہ جائے اور ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے وہ روحانیت کے رہزنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہی ان کے لیے ٹھنڈا پانی ہے جس سے وہ اپنے باطن کی آگ بجھاتے ہیں۔ اور وہی ان کی بیماریوں کی دوا ہے کہ اگر ان کو نہ ملے تو ان کے دل گرنے لگیں اور وہی وسیلہ ربط ہے اُن کے اور اُن کے علام الغیوب رب کے درمیان ـــ کیا خوب کہا گیا ہے۔

سے :-

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم
فنترک الذکر احیانا فننتکس

جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں۔ اور جب کسی وقت یاد سے غافل ہو جائیں تو مرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بینا آنکھوں کو روشنی اور بینائی سے منور کیا ہے اسی طرح ذکر کرنے والی زبانوں کو ذکر سے مزین فرمایا ہے (اور دلوں کو نور بخشا ہے) اللہ کی یاد سے غافل زبان اُس کی آنکھ کی طرح ہے جو بینائی سے محروم ہو اور اُس کان کی طرح ہے جو شنوائی کی صلاحیت کھو چکا ہو۔ اور اُس ہاتھ کی طرح ہے جو مفلوج ہو کر بیکار ہو گیا ہے۔

ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو اللہ جل جلالہٗ اور اُس کے بندے کے درمیان کُھلا ہوا ہے۔ اور اس سے بندہ اُس کی بارگاہ عالی تک پہنچ سکتا ہے اور جب بندہ اُس کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے :۔

فنسیان ذکر اللہ موت قلوبھم
واجسامھم قبل القبور قبور
وارواحھم فی وحشۃ من جسومھم
ولیس لھم حتی النشور نشور

اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا اور فراموش کر دینا ان کے قلوب کی موت ہے اور اُن کے جسم زمین والی قبروں سے پہلے اُن کے مُردہ دلوں کی قبریں ہیں — اور ان کی روحیں سخت وحشت میں ہیں اُن کے جسموں سے اور اُن کے لیے قیامت اور حشر سے پہلے زندگی نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قلوب کو نورانی بنانے اور اوصاف ردیہ کو اوصافِ حمیدہ میں تبدیل کر دینے میں سب طاعات و عبادات سے زیادہ زود اثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں —

"اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت و سکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔" حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۷

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کے لیے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہیں اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر "سکینت" نازل ہوتی ہے جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب

حضرت مولانا تھانوی ؒ نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کے پاس کوئی شخص سلوک سیکھنے آیا۔ آپ نے حلقہ میں بٹھایا۔ توجہ شروع کی۔ دیکھا کہ اُس کا قلب انوار ذکر قبول ہی نہیں کرتا چند روز یہی ہوتا رہا آخر آپ نے اُس سے پوچھا، میاں میرے پاس کیوں آئے ہو کہا اللہ اللہ سیکھنے آیا ہوں تاکہ میں بھی کچھ بن جاؤں اور دوسروں کو اللہ اللہ سکھاؤں، فرمایا اچھا اب جاہ گٹھڑی بغل میں دابے آئے ہو۔ توبہ کرو اس شرک سے۔ اور اللہ کا بندہ بننے کی نیت سے اللہ اللہ کرو۔ اُس نے توبہ کی آپ نے توجہ کی۔ دیکھا کہ اُس کا دل انوار جذب کرنے لگا ہے۔ (مغالطے۔ حافظ عبد الرزاق)

ہوتا ہے اسی کو "اہل سلوک" "جمعیت قلبی" بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے — اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی یہ نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ:۔

دیکھو آدمؑ ہی کی اولاد میں سے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں۔ اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و شوق اور کیسے سوز و گداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلا شبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی ذاکر بندہ اپنے قلب و باطن میں "سکینت" کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اُس کو سمجھنا چاہیے کہ ابھی وہ ذکر کے اُس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موعود ہیں یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں۔ جو آثار ذکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں، بہرحال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنا چاہیے۔ ربِ کریم کے وعدے برحق ہیں۔

Phone : 546734

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors.
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴

البرکت اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳، سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

محبت و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد ریاض طاہر لشکری

دینِ اسلام اُلفت و محبت کا پیام بر ہے۔ اس میں جدال و قتال کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں۔ اسلام نے محبت کا جو تصور دیا اس کی اساس دین ہے۔ اسلام میں محبت بھی خدا کے لیے کی جاتی ہے اور عداوت بھی خدا کے لیے۔ اور جو محبت خدا کے لیے وہ اصلی اور مضبوط محبت ہوتی ہے۔ اور اللہ نے اپنی محبت کے لیے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری قرار دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔ (آل عمران)

ترجمہ۔ (آپ) فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ کے ساتھ محبت قائم کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں حضورؐ کی محبت کو اپنی محبت کے ساتھ بیان فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ کہہ دو اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو۔ خدا اور اس کے رسولؐ سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ ہمیں اپنے باپ بیٹے بھائی اولاد اور تمام مال و جائیداد وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کو عزیز سمجھنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا یہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتایا کہ تم اگر اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو اللہ کو یار و مددگار بنانا چاہتے ہو تو رسولؐ سے محبت کرو۔ ان آیات کے بعد ایک حدیث مبارک جو کہ خود حضورؐ نے اپنی محبت کے بارے میں بیان فرمائی۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین (بخاری مسلم)

ترجمہ:۔ تم سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے بیٹے اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرمؐ کی محبت اگر والدین بیٹے یا اور کسی دوسرے شخص سے ذرا بھی کم ہو تو اس شخص جس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کم ہے اس کا ایمان مکمل نہیں جب خود خدائے بزرگ و برتر نے اپنی محبت کا ذریعہ رسولؐ کی محبت بنائی تو اس سے بڑھ کر نبی پاک صاحب لولاک شاہ دو جہاںؐ کی محبت کے بارے میں ٹھوس ثبوت نہیں مل سکتا۔

رسول کریمؐ کے کسی عاشق نے کیا خوب کہا۔　ے

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اس میں ہو اگر خامی تو پھر دین نامکمل ہے

حضورؐ نے ایک اور حدیث پاک میں فرمایا۔

ثلث من کن فیہ وجد بہن حلاوۃ الایمان
من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ"

ترجمہ: تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کے سبب ایمان کا مزہ چکھے گا ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسولؐ دوسری تمام چیزوں سے محبوب ہوں"

ان احادیث اور آیات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا تعلق محبت پر مبنی ہے۔ دین میں وہ اطاعت معتبر نہیں جس کی بنیاد محبت پر مبنی نہ ہو۔ ایسی اطاعت جس کی تہ میں محبت کارفرما نہ ہو بعض حالات میں وہ محض منافقت ہوتی ہے۔ پھر محبت بھی ظاہری اور رسمی نہیں بلکہ ایسی محبت جو تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ جس کے مقابلے میں عزیز سے عزیز رشتہ دار اور محبوب سے محبوب تعلقات کی بھی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے۔ جس کے لیے ہر چیز کو چھوڑا جا سکے لیکن اس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جا سکے۔ یہ ہے حضورؐ کی محبت جو کہ دین کی اصل ہے کیونکہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اس مرتبے تک پہنچے تو محبت رسولؐ اور اطاعت رسول کے صلے پہنچے حضورؐ سے محبت اس طرح کرنا چاہیے جس طرح بلال حبشیؓ نے حضورؐ سے محبت کی جنابؐ سے کی اس طرح حضورؐ سے محبت کرنے کا حق ہے جس طرح حضرت مصعبؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمارؓ نے حضورؐ سے محبت کی کسی کو تپتی ریت پر لٹایا جا رہا ہے کسی کو کھجور کی صف کے ساتھ اور کسی کو رسیوں کے ساتھ باندھا اور کسی کو تپتے کوئلوں پر لٹایا جا رہا ہے لیکن قربان جاؤں ان کے صبر پر کہ محبت رسولؐ سے اس طرح ان کے دل معمور ہیں کہ کسی تکلیف کی پرواہ کئے بغیر اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام ہی زبان پر آتا ہے۔ ہمیں بھی اسی طرح حضورؐ کی ذات پاک سے محبت اور عقیدت ہونی چاہیے۔ جان جائے تو جائے لیکن حضورؐ کی محبت میں فرق نہ آئے۔ محبت کے ساتھ حضورؐ کی اطاعت کو بھی بیان کرنا چاہتا ہوں اور اب ذرا اس مضمون کو قرآن پاک کی روشنی میں بیان کرتا ہوں۔

چنانچہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
(سورۃ النساء)

ترجمہ: ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دوسری جگہ بیان فرمایا کہ آدمی کے نیک اعمال کی قبولیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے ورنہ اعمال کا کوئی فائدہ نہ ہوگا چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔

رسول پاکؐ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ خدا کی اطاعت کا جو اصل مقصود ہے اس کا راستہ ہی یہ ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے

دوسری بیعت؟

اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟

بیعت بجائے خود مقصد نہیں، بلکہ ایک مقصد کے لیے ایک ذریعہ، مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔ (دلائل السلوک)

جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اس کیلیے لازمی ہے کہ رسولؐ کی اطاعت کرے۔ جس طرح اللہ کی محبت کے لیے پہلے رسولؐ کی محبت حاصل کرنی چاہیئے۔ اسطرح اطاعتِ خدا کے لیے اطاعتِ مصطفےٰ ضروری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یوں فرمایا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ،

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔

اب ان آیات کے بعد ذرا حدیث کی روشنی میں حضورؐ کی اطاعت کا حکم اس طرح آیا ہے۔

من اطاع محمدا فقد اطاع اللہ ومن عصٰی محمدًا فقد عصٰی اللہ و محمدٌ فرقٌ بین الناس

(بخاری و مسلم)

جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان محمد ہی شان امتیاز ہیں۔

اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ سے محبت کرنے والا جنت میں جائے گا۔

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی)

یعنی جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے محمدؐ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس کی تشریح میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضورؐ کی محبت اور اطاعت کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔

ایک دن ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ قیامت کس دن ہے لیکن حضورؐ نے جواب نہ دیا دو تین مرتبہ پوچھنے کے بعد حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا چہرہ اقدس جلال کی وجہ سے سرخ ہوگیا اور حضورؐ نے پوچھا قیامت کے لیے تیرے پاس کیا ہے تو صحابیؓ نے جواب دیا کہ حضورؐ کی محبت اور خدا کی محبت۔

تو نبی پاکؐ نے فرمایا تیرا مقام جنت ہے کیونکہ محب کا انجام محبوب کے ساتھ ہوتا ہے اور تم میرے ساتھ جنت میں ہوگے۔

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ کا ایمان تھا کہ ایمان کی اصل محبت رسول اور اطاعت رسولؐ ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم اطاعت رسولؐ کے پیش نظر حضورؐ کے اسوہ حسنہ کو اپنائیں۔

اور سنت رسولؐ پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا میں کامیاب ہوں اور ہماری کامیابی کا اصل راز بھی اطاعت رسولؐ میں ہے ہم جب تک سنت رسولؐ پر عمل کرتے رہیں گے تو جس طرح میدان بدر میں بڑی طاقت پر چند بے سازوسامان مسلمان ہی طاقتور ثابت ہوئے اس طرح ہم بھی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہ دُعا بارگاہ الٰہی میں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت رسول پر عمل پیرا ہونے اور حقیقی معنوں میں مسلمان بنائے آمین

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ

ضرورت سیلز مینجر

ہمارے کتب خانے کے لیے ایک پڑھے لکھے، سمجھدار اور مستقل مزاج سیلز مینجر کی ضرورت ہے۔ بُک سیلز کا تجربہ رکھنے والے صاحب کو ترجیح دی جا سکتی۔ اپنی درخواست مکمل کوائف کے ساتھ اس پتے پر ارسال فرمائیں۔

152 A/2 گلبرگ 3 لاہور

روح اور نفس پرستی

محمد جہانگیر خان

دنیا میں روح جسم کی مکلف ہے۔ اور قبر میں یعنی برزخ میں جسم روح کا مکلف ہے اور روزِ محشر روح اور جسم دونوں مکلف ہوں گے۔ یعنی انسان فرشتوں کی بات بھی سُنے گا، اور انسانوں کی بات بھی سُن سکے گا (مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ) رُوح اور نفس کے راستے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نفس ہمیشہ روح کے راستے اور پرواز میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے انسان میں روحانی اور نفسانی دونوں قوتوں کا مقابلہ رہتا ہے اور جو قوت طاقتور ہو وہ جیت جاتی ہے اور اپنی بات منوا لیتی ہے اگر انسان نفسانی خواہشات کو پالتا رہا اُن کا پورا خیال رکھتا رہا۔ اور اُن کا تابعدار بن کر رہا۔ تو پھر یہ قوت پرورش پا کر بڑھ جائے گی۔ نفس طاقتور بن جائے گا۔ اور اپنی بات منوائے گا اس کا نفس بے قابو ہو جائے گا روح کمزور ہو جائے گی لاغر ہو جائے گی۔ نفس کے آگے دب جائے گی بظاہر تو انسان صحت مند معلوم ہوگا بڑی خوب صورت شکل ہوگی رنگ ڈھنگ وہی رہے گا مگر اندر سے وہ مر چکا ہوگا آنکھیں بظاہر صحیح ہوں گی۔ مگر دل اندھا ہو چکا ہوگا۔ دیکھے گا مگر جیسے جانور دیکھتے ہیں

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۳)

یعنی ان کی آنکھیں صحیح ہیں یہ دیکھتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کی سیر کی ہے ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالٰے نے کتنے شہر اور کتنی قومیں تباہ و برباد کر دیں۔ ان کا نشان تک نہیں رہا۔ جنہوں نے انکار کیا تھا۔ جو خواہشات نفس پر چلتے تھے۔ یہ چاند، ستاروں کو دیکھتے ہیں زمین و آسمان کو بھی دیکھتے ہیں وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ مگر ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہے گا۔ مگر اسلام کا دشمن بن جائے گا۔ اللہ اللہ کرنے کو (نعوذ باللہ) اپنی توہین سمجھے گا۔ داڑھی والے لوگوں سے نفرت کرے گا۔ مال کو جمع کرے گا۔ تاکہ اپنے دشمن نفس کو خوب پالا جا سکے اور کچھ حضرات جو بظاہر تو روحانی پیشوا معلوم ہوتے ہیں داڑھی بھی رکھی ہوتی ہے بظاہر مولوی ہیں لیکن صرف نام کے۔ کام کے نہیں۔ مگر نفس پرست ہیں۔ ان کی روح بھی انتہائی بیمار اور لاغر ہو چکی ہے یہ بھی اندر سے مردہ ہیں۔ یہ دین کی بات کر کے لوگوں سے معاوضہ لیتے ہیں یہ گروہ پہلے والے گروہ سے زیادہ خطرناک ہے وہ صرف خود مردہ ہو چکے ہیں مگر یہ دوسروں کو بھی اس مردار خانہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ حاجی بن کر بھی، پیر بن کر بھی اور مولوی بن کر بھی نفس پرستی کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاتے ہیں پیسے کمانے کیلئے صرف تجارت کرنے کے لیے۔ تعویذ سے دولت کماتے ہیں۔

تعویذ کی قیمت لگاتے ہیں تقریر کرنے سے پہلے سودا کرتے ہیں نکاح اور جنازہ پڑھانے سے پہلے سودا کرتے ہیں۔

؎ تیرا دل تو ہے صنم آشنا
تجھے کیا ملے گا نماز سے

اسی طرح یہ دوسروں کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ حاجیوں، مولویوں اور پیروں سے متنفر ہو گئے ہیں۔ بے شک یہ لوگ نفس پرست ہیں۔ ورنہ اسلام نے تو دین کے بدلے دولت کمانے کا کہیں بھی حکم نہیں دیا۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کہ مجاہدہ، ریاضت اور کثرتِ ذکر سے اپنی روح کی پرورش کرتے ہیں روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے کامل استاد کے پاس جاتے ہیں ہمارے شیخ المکرم دامت برکاتہم نے چوبیس سال استادِ کامل سے اپنے نفس کا تزکیہ اور روح کی تربیت کروائی۔ ایسے لوگوں کی روح طاقتور بن جاتی ہے نفس پر قابو پا لیتے ہیں۔ یہ کھرے لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس کو لگام چڑھا کر قابو کر لیا ہے ان کا ہر قدم رضائے الٰہی کے لئے اٹھتا ہے ان کا دل انوارِ الٰہیہ سے جل چکا ہوتا ہے یہ ساری رات سوئے نہیں رہتے۔ اللہ کو خاموشی سے یاد کرتے رہتے ہیں۔

اپنی حلال کمائی سے مختلف شہروں اور ملکوں کے دورے کرتے ہیں کیوں؟ ان اندھے دلوں اور نفس کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کے لیے۔ اس بنجر زمین کو سیراب کرنے کے لیے کبھی ہل جوتتے ہیں، کبھی پانی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مکمل آرام کرنے کو کہتے ہیں مگر یہ ہستی ذیابیطس کی مرض کے باوجود برطانیہ، امریکہ اور ڈنمارک تک کی بھٹکتی ہوئی انسانیت جھوٹے پیروں اور مولویوں کو نفس پرستی سے نجات دلانے کے لیے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ غلام، یہ مجاہد رات دن اسی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ (اے میرے پروردگار، یا حیی یا قیوم۔ تو ان کی عمر کو دراز کر دے، اور ان کو ہر بیماری سے بچا۔ آمین) جس طرح جسم کا معالج ہوتا ہے اسی طرح روح کا بھی معالج ہوتا ہے اب ڈاکٹر کے پاس جا کر آپ دوائی لیتے ہیں جسم کے لیے۔ کبھی کسی نے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مجھے تہجد کے لیے جاگ نہیں آتی کیا کرنا چاہیئے۔ کبھی نہیں کہتے، کیوں کہ ڈاکٹر کا مقصد روحانی بیماری نہیں بلکہ جسمانی بیماری کا ازالہ کرنا ہے یہ

ایسے شخص کو شیخ بنائیں جن کی صحبت میں اتباعِ سنت
اور اتباعِ صحابہ جو اتباعِ سنت ہی کی ایک شکل ہے
نصیب ہو، نہ ایسا آدمی جو بدعات میں مبتلا کر دے۔
اللہ ایسوں کی مجلس سے محفوظ رکھے۔
(حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ)

علیحدہ بات ہے کہ کئی ڈاکٹر بھی بڑے بڑے صوفی ہوتے ہیں کسی تاجر کے پاس جا کر ہمیشہ کاروبار میں اضافے کے متعلق پوچھا جاتا ہے کسی اعلیٰ آفیسر کے پاس جا کر پروموشن کے متعلق بات ہوتی ہے مگر یہ کیا تک بنتا ہے کہ جائے صوفی کے پاس اور مانگے دنیا۔ صوفی تو اپنے نفس کو لگام چڑھا چکا۔ مگر یہ اپنے باغی نفس کے لیے دنیا مانگتا ہے جیولر کے پاس جائے اور مانگے آلو۔ یہ کوئی جوڑ نہیں۔ دراصل جس رنگ کی عینک پہنی ہوئی ہو اسی رنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ راولپنڈی کے ایک مولوی صاحب اپنی تقریر میں کہہ رہے تھے "لوگ کہتے ہیں داتا لاہوری کچھ نہیں دیتا۔ اس کے ملنگوں کی جوتیوں کی بولی ایک لاکھ روپیہ لگی ہے اور تمہیں داتا گھوڑے دے؟" آپ دیکھیں صوفی کا کام تو مسلمانوں کے اندر یقین پیدا کرنا ہے۔ ان کی روح کی تربیت کرنا ہے نہ کہ ان کے نفس کی پرورش کرنا ہے اور یہ مولوی علی ہجویریؒ سے پیسے مانگتا ہے۔ یہ تصوف اور روپے کو ملاتا ہے یہ کہتا ہے کہ صوفی کے پاس جاؤ گے تمہیں دولت ملے گی۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ علی ہجویریؒ خود کیا کہتے ہیں۔

؎ من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن اور پھر جاتا ہے دھن

(علی ہجویریؒ کے افکار کی ترجمانی)

مگر یہ کہتے ہیں کہ وہاں سے حلوہ ملتا ہے، وہاں سے بریانی ملتی ہے۔ دولت ملتی ہے

؎ شرم تجھ کو مگر نہیں آتی۔

ان لوگوں کا قصور نہیں کیونکہ ان کو نفس سدھارنے والا ملا ہی نہیں جو ملا وہ بھی بیچارہ نفس پرست ملا۔

؎ باجھ فقیراں کسے نئیں ماریا باہو چور اندر دا ہو۔

تصوّف وسلوک کے راستے میں نفس بڑی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ مولانا رومیؒ کی ایک مثنوی جس کا ترجمہ یوں ہے ایک دفعہ مجنوں لیلیٰ کو ملنے کے لیے چلا۔ سواری میں اونٹنی تھی۔ جس نے حال ہی میں بچہ دیا تھا۔ مجنوں جب لیلیٰ کے خیال میں محو ہوتا تھا تو اونٹنی کی مہار ہاتھ سے چھوٹ جاتی تھی۔ اور اونٹنی یہ دیکھ کر کہ مجنوں غافل ہے اپنے بچے کی کشش سے گھر کا رُخ کرتی تھی لمحوں بعد مجنوں کو ہوش آتا تو اُس کا رُخ پھیرتا اور لیلیٰ کے گھر کی طرف لے چلتا لیکن دو چار کوس چلنے کے بعد مجنوں پر پھر وہی محویت طاری ہوتی اور اونٹنی پھر گھر کا رُخ کرتی۔ اسی کش مکش میں کئی مہینے گزر گئے کوئی منزل طے نہ ہو سکی انسان کی بھی بعینہٖ یہی حالت ہے۔ وہ روح اور نفس کی کش مکش میں مبتلا رہتا ہے دنیا میں بڑے بڑے روحانی پیشوا موجود ہیں۔ علم صرف منزل کا پتہ دیتا ہے۔ ظاہری علوم منزل تک پہنچا نہیں سکتے۔ منازل ظاہری علم سے طے نہیں ہوتیں۔ صرف کامل شیخ کی توجہ سے اور مجاہدے سے ہوتی ہیں۔ قرآن و حدیث کا کوئی کتنا بڑا عالم ہوا ہو صحابی نہیں بن سکا۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صحبت میں نہیں گیا۔ اصل علم یہی ہے جو کہ منزل پر پہنچا دیتا ہے یہ علم باطنی ہے جو کہ سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ مولانا جلال الدینؒ رومی کے والد نے جب وفات پائی تو سید برہان الدینؒ اپنے وطن ترمذ میں تھے یہ خبر سن کر ترمذ سے روانہ ہوئے اور قونیہ میں آئے مولانا رومیؒ اس وقت لارندہ میں تھے سید برہان الدینؒ نے اُن کو خط لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی مولانا رومیؒ اُسی وقت روانہ ہوئے۔ قونیہ میں شاگرد اور استاد کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں پر بیخودی کی کیفیت طاری رہی۔ ملنے کے بعد سیّد نے مولانا کا امتحان لیا۔ جب تمام علوم میں کامل پایا تو کہا صرف علم باطنی رہ گیا ہے چنانچہ نو برس تک سلوک کی تعلیم دی۔ اُن کی وفات کے بعد مولانا رومیؒ نے تقریباً تیرہ سال تک حضرت شمسؒ سے بھی سلوک سیکھا۔

ایک صوفی کا پتہ بتاتا ہوں۔ جو تمہیں تصوّف اور سلوک سکھائے جس طرح سکھانے کا حق ہے دین اور دنیا میں رہنے کا ڈھنگ سکھائے۔ یہ کوئی خانقاہی مجاور نہیں نہ ہی پیرا بن پیر ہے ہمارے استاذ المکرم کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی پیر جس کی دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک رسائی نہیں، سلوک و تصوّف سکھانے کے لیے بیعت نہیں لے سکتا۔ وہ کاذب ہے کیونکہ سالک کی روحانی تربیت کرنے کے لیے دربارِ نبوی تک رسائی لازماً شرط ہے اور شیخ المکرم مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے اس نفس پرستی اور ظلمت کے دور میں بھی اتنی قوت اور مقناطیسیت عطا فرمائی ہے کہ ہر سال سینکڑوں نام کے مسلمانوں کی تربیت کر کے بارگاہِ ایزدی میں لا کھڑا کرتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر بندے کے لیے ہر گھڑی ہر لمحہ لیلۃ القدر بن جاتا ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کامل شیخ کی پہچان کے متعلق لکھا ہے اگر تم کامل شیخ کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے شاگردوں کو دیکھو اگر وہ سب سنت پر عمل کرتے ہیں تو سمجھ لو۔ شیخ کامل ہے ویسے تو یہ شاگرد متحدہ عرب امارات سے لے کر امریکہ اور ناروے تک موجود ہیں مگر چالیس پچاس کو دیکھ کر اگر یقین نہیں آتا تو پھر رمضان شریف میں دارالعرفان (منارہ) ضلع چکوال پہنچ جانا۔ جہاں کم از کم تین چار سو افراد کو سنتِ اعتکاف میں پاؤ گے یہ اللہ کی دین ہے جس کو چاہے جتنا عطا کر دے۔ ماشاءاللہ سب کے سب داڑھیوں والے ہوں گے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ملیں گے۔

سے عجب وضع ہے یارب اندازانکے نرالے ہیں
الٰہی یہ عاشق کس بستی کے رہنے والے ہیں

یہ مسجد میں ہی بیٹھے رہتے دنیا میں بھی رہتے ہیں دنیا بنی تو رہنے کے لیے ہے مگر اس طرح چاہیئے جس طرح اس کو بنانے والے نے بتایا ہے" حضرت مدظلہٗ فرماتے ہیں دنیا میں رہو۔ یہ بنی تو رہنے کے لیے ہے۔ شادی کرو، مکان بناؤ بہت اچھا بناؤ۔ بہت اچھی کار لو، اچھا لباس پہنو، اچھا کھانا کھاؤ مگر اس میں سے جو تم نے خود حلال طریقے سے کمایا ہے کسی سے چھین کر نہیں۔ ڈاکہ ڈال کر نہیں۔ حرام اور ناجائز طریقے سے کما کر نہیں۔"

اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ :- مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ آؤ نفس کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانو! یہ زنجیریں توڑ کر آؤ۔ اللہ تعالیٰ سے دور مت بھاگو۔ اللہ کے قریب آجاؤ۔ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی سوئی ہوئی روح کو جگاؤ اور اپنے دل میں اللہ کے بابرکت نام کے پھول کھلاؤ۔ بے شک اطمینان قلب صرف ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے

سے • یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے۔

قرض، احادیث کی روشنی میں

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل فرماتے ہیں، کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اُس نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اجر بیس گنا۔ (معجم کبیر طبرانی)

ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کسی مرد صالح کا خواب بیان کیا ہو یا خود اپنا مکاشفہ اور مشاہدہ۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ "میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا ہے اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو۔ اور وہ اُس کو مقروض کو ادا کرنے کے لیے دیر تک مہلت دے دے تو اُس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (مسند احمد)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جو بندہ کسی غریب تنگدست کو (جس پر اُس کا قرضہ وغیرہ ہو) مہلت دے دے یا (مطالبہ کل یا جز) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا۔ (مسلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا اس کا جز) معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اس بندہ کو نجات عطا فرمائے گا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض ادھار دیا کرتا تھا (تو جب اپنے غلام کو تقاضے کے لیے اور قرض وصول کرنے کے لیے بھیجتا) تو غلام سے کہتا اور اس کو ہدایت کر دیتا کہ جب تم قرضے وصول کرنے کے لیے کسی غریب اور مفلس کے پاس جاؤ تو اُس سے درگزر کرو۔ شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائے اور معاف فرما دے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب مرنے کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں۔ اور اس کی ادائیگی کے لیے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جزء معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا۔ اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں۔ اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو آخرت میں اُس کا انجام ان کے حق میں بہت بُرا ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ اُن کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو۔ (مسند احمد۔ ابی داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا

زمان نقل فرماتے ہیں کہ مومن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بیچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس پر ہے۔

(مسند شافعی، مسند الہ، ابی داؤد، مسند دارمی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل فرماتے ہیں، کہ شہید ہونے والے مرد مومن کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں بجز قرض کے۔

(مسلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کر دیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں۔ تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کر دے گا؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں۔ پھر جب وہ آدمی لوٹنے لگا تو آپ نے اس کو پکارا اور فرمایا ہاں سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرائیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے ہیں، بیٹھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ نے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا پھر نگاہ نیچی فرمالی۔ اور اپنا ہاتھ مبارک پیشانی پر رکھ کر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں فرمایا۔ "سبحان اللہ، سبحان اللہ، کس قدر سخت وعید اور سنگین حکم نازل ہوا ہے" حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے مگر خیریت ہی رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت وہ سخت اور بھاری چیز کیا تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ نہایت سخت وعید اور بھاری فرمان قرضہ کے بارے میں نازل ہوا ہے قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر کوئی آدمی راہ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جا سکے گا، جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔ (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک میت کا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجیئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے تو آپ نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا۔ اس کے بارہ میں آپ نے پوچھا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے۔ تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں۔ تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ نے اس کے بارہ میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے کے ذمہ کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرض ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور اس کی نماز پڑھا دیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا تو اس کے بعد آپ نے اس جنازہ کی نماز بھی پڑھادی

(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا۔ اور جو کوئی کسی سے لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کرا دے گا۔ (بخاری)

حضرت عمران بن حصین ؓ ام المومنین حضرت میمونہ ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جو کوئی قرض لے اور اللہ کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرا دے گا۔

(نسائی)